

سلسلہ اشاعت ادارہ علوم شرعیہ

جلد حقوق باضابطہ محفوظ ہیں

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

کتاب مستطاب

قرآن وحشد

اشخاصہ

امام العلماء حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم العلوم دیوبند

بہتمام

مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب فاضل دیوبند

ادارہ علوم شرعیہ کراچی

عرض ناشر

پیش نظر مقالہ بعنوان قرآن و حدیث کو کتاب کی صورت میں طبع کرانے کا ارادہ بعض اہل احباب اور خود صاحب مضمون کی فرمائش پر کیا گیا تھا جس کی تکمیل کی سعادت مجھے نصیب ہوئی جس وقت ہمارے ہاں دو ترجمہ و دو تفسیر والے قرآن مجید کی طباعت کا انتظام ہو رہا تھا تو خدمت قرآن کی اس ادنیٰ سعی کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی خدمت کا جذبہ دل میں موجزن ہوا اس وقت مناسب سمجھا کہ اس قرآن مجید کے شروع میں بطور مقدمہ ضرورت حدیث کے موضوع پر ایک مقالہ شامل کر دیا جائے جس سے مترجم یا تفسیر قرآن مجید پڑھنے والوں کو حدیث کی اہمیت بھی معلوم ہو جائے جس کے بقا پر قرآن کی بقا موقوف ہے اس مقالہ کے لئے بقیۃ السلف علامہ قاری محمد طیب صاحب مد فیوضہ کے نام قرعہ فال آیا جسے ممدوح نے انتہائی سعادت سمجھ کر قبول فرمایا جب یہ مضمون مکمل ہو گیا تھا لیکن دیوبند سے مجھ تک پہنچا نہیں تھا تو اس کی تکمیل کی خوشی میں حضرت مولف نے ایک خط میں اس مضمون کے متعلق اکابر دیوبند کا تاثر ان الفاظ میں ذکر فرمایا (یہاں کے حضرات اساتذہ کو سنایا تو انہوں نے بھی اس کی کافی تحسین کی اور یہ فرمایا کہ انکار حدیث کے علی الرغم اب تک اس قسم کا مضمون نظر سے نہیں گذرا) اب آپ یہ مضمون اس قرآن مجید کے شروع میں بھی پڑھ سکیں گے جس میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا جو قدیم ہے قدیم نسخہ مطبوعہ ۱۲۱۳ھ سے لیا گیا ہے اور دوسرا ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب تدیس سرہ کلہ ہے اور حاشیہ پر پہلی تفسیر موضع قرآن جو اسی قدیم نسخہ سے نقل کی گئی ہے اور دوسری تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ہے اور اس مضمون کو کتاب کی صورت میں بھی حسن طباعت کے ساتھ شائع کر دیا گیا ہے دعا ہے کہ اس حقیر بندہ کی خدمت کو عام مسلمانوں اور اہل علم کی نگاہوں میں مقبولیت کی نعمت عطا ہو :

نامہ ہدیہ

۲۶ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ قَدْ نَزَّلَ إِلَيْهِمْ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى۔ اما بعد! اسلام خدا کا
آخری پیغام اور اس کے آسمان سے اترا ہوا آخری دین ہے جو قیامت تک
کے تمام انسانوں کے لئے پیغام اور دستور زندگی ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی
دین آنے والا ہے نہ کوئی شریعت۔ کیونکہ نبوت ختم ہو چکی اور خاتم النبیین
آچکے ہیں اس لئے خاتم الانبیاء کا دین ہی قدرتی طور پر خاتم الادیان۔ ان
کی شریعت خاتم الشرائع، اور اس شریعت کی کتاب خاتم الکتاب ہو سکتی
ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ دین مع اپنی بنیادوں کے قیامت تک باقی
اور محفوظ رہے ورنہ اس صورت میں کہ یہ دین اور شریعت تو باقی نہ رہے
اور جدید شریعت آنے والی نہ ہو تو دنیا سے حق کلینہ منقطع ہو جاتا ہے۔
حالاںکہ دنیا کی بقا ہی حق اور نام حق سے ہے جس دن ایک بھی اللہ اللہ کہنے
والا اس زمین پر باقی نہ رہے گا۔ اسی دن قیامت قائم کر دی جائے گی اور یہ
سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے قیامت سے پہلے کوئی ساعۃ بھی
ایسی نہیں آسکتی کہ اس میں حق اور نام حق سرے سے باقی نہ رہے۔ سو ختم
نبوت اور خاتم الشرائع کے آجانے کے بعد جب کہ کوئی نئی شریعت

انیوالی نہیں بقا ر حق کی صورت اس کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی کہ آخری
 دین کو قیامت تک باقی رکھا جائے۔ اور زمانہ کی دست و برد سے اُس کی عظمت
 ہوتا کہ کسی راہ سے بھی اس میں خلل اور زلزل نہ آنے پائے۔ خواہ تلبیس کر نیوالے
 کتنے بھی پیدا ہو جائیں۔ فرقے اور گروہ کتنے ہی بن جائیں تحریف و تاویل سے
 شکوک و شبہات کے دروازے کتنے بھی کھول دیئے جائیں لیکن اصل
 دین اپنی اسی اصلی شان اور اپنی پوری پوری کیفیت و حقیقت کے ساتھ
 اسی انداز سے باقی رہے جس انداز سے وہ اپنی ابتدائی زندگی میں محفوظ تھا۔
 ظاہر ہے کہ ایسی غیر معمولی حفاظت انسان اور نوع بشری کے بس کی بات
 نہ تھی انسان مجموعہ تغیرات ہے اس کا دل و دماغ اُس کی ذہنی رفتار اور طبعی
 رجحان و میلان بلکہ عقلی تقاضے ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہ سکتے اس تغیر پذیر
 ذہنیت سے ممکن نہ تھا کہ وہ یکسانی کے ساتھ اپنے دین کو ہر دور میں یکساں
 محفوظ رکھ سکتا۔ اگر انسان ایسی لا تبدیل فطرت کا حامل ہوتا تو توراۃ و انجیل
 بے نشان کیوں ہوتیں؟ زیور کی اصلیت کیوں کم ہو جاتی؟ صحیف آدم اور
 صحیف ابراہیم دنیا سے ناپید کیوں ہو جاتے؟ اگر آخری دین کی حفاظت بھی
 مثل سابق انسانوں کے ہاتھوں میں دیدی جاتی تو اس دین کا حشر بھی
 وہی ہوتا جو ادیان سابقہ کا ہوا کہ اُس کا نشان بھی باقی نہ رہتا اور انسان
 کی تغیر پذیر ذہنی رفتار اس میں بھی تغیر تبدیل کے بغیر نہ رہتی لیکن

ادیان سالفہا کو محفوظ نہ رہے اور ختم ہو گئے تو دنیا کے بقا میں اس لئے
 فرق نہ آیا کہ نبوت ختم نہ ہوئی تھی جو شریعت گم ہوئی تھی اس کی جگہ نئی
 شریعت نئی نبوت کے زیر سایہ اس کے قائم مقام ہو جاتی تھی اور دنیا سے حق
 منقطع نہ ہوتا تھا کہ فناء دنیا کی نوبت آتی لیکن ختم نبوت کے بعد اس دین کے
 گم ہو جانے سے یہ صورت ممکن نہ تھی کہ نیا دین آجائے اور دنیا فنا نہ ہو اس لئے
 اس آخری دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے لی اور یہ اہل وعدہ
 فرمایا کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاَنَّا لَاحْفَظُوْنَہُمْ ہِیَ لَیْسَ بِہِمْ اِیْسَ لِمَا نَحْفَظُہِیْنَ

ظاہر ہے کہ حفاظت دین کی دو ہی
 صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ محافظ دین

ایسی طاقتور شخصیتیں کھڑی کی جاتی ہیں جن کا طبعی ذوق اور ذاتی میلان ہی دین
 کا تحفظ ہو اور وہ عقیدہ و عمل کی سرحدات کو اپنی فکری و عملی قوتوں سے
 اس حد تک مضبوط کرنے کی فکر میں لگی رہیں کہ اس میں کسی ادنیٰ تغیر و تبدل یا
 خلل کے تصور کو بھی برداشت نہ کر سکیں۔

دوسری صورت یہ ہے
 ہر صدی کے شروع میں مجدد کی آمد
 کہ اصل قانون دین خود

ایسا فطری ہو کہ اس میں خود اپنے بقا و تحفظ کی ذاتی اسپرٹ ہو اور اس حد تک

ہو کہ اس کی طبیعت ہی کسی تغیر و تبدل اور کمی بیشی کو برداشت نہ کر سکے بلکہ اسکی
 مضبوط ترین حجتہ و برہان اپنے فطری تموار طبعی قوت ہی سے ہر تغیر کے خطرہ کو
 دفع کرتی رہے جس سے اسکے آمنے سامنے اور دائیں بائیں کسی باطل کی پہنچ ہی
 ناممکن ہو۔ سو اس دین کی حفاظت کے لئے دونوں صورتیں اختیار کی گئیں پہلی
 صورت یعنی سرتاپا دین اور محکم اسلام قسم کی شخصیتیں ہر ایسے دور میں مختلف
 اندازوں اور عنوانوں سے پیدا کی جاتی رہیں کہ جن میں دین اور اجزاء دین کے
 خطرہ میں پڑ جانے کا کوئی امکان دیکھا گیا۔ مثلاً انسانی ذہنیت سو برس کے
 دور میں طبعاً متغیر ہو جاتی ہے کیونکہ سو برس میں ایک قرن ختم ہو کر دوسرے
 قرن کے لئے جگہ خالی کرتا ہے اور ایک نسل پوری کی پوری ختم ہو کر دنیا کو دوسری
 نسل کے ہاتھ میں چھوڑ جاتی ہے جسکی ذہنیت یقیناً وہ نہیں رہتی جو سو برس
 پہلے کے لوگوں کی تھی انسان کے ذہنی ارتقاء کے تحت ذہن بدل جاتا ہے
 نظریات تبدیل ہو جاتے ہیں نئے ترقی یافتہ نظریات سامنے آ جاتے ہیں تمدنی
 رجحانات پہلے سے نہیں رہتے طرز زندگی میں نمایاں تبدیلیاں ہوتی ہیں
 اور گویا یہ انسان وہ نہیں رہتا جو سو برس پہلے کا انسان تھا اس لئے ہر قرن کے
 آغاز میں دین کے لئے یہ خطرہ قدرتی تھا کہ نئے انسانوں کی ذہنی تبدیلیاں اسے
 بدل نہ ڈالیں اور اس کے سابقہ رنگ کو پھیکا کر کے اس پر کوئی نیا رنگ نہ
 چڑھا دیں جس سے اس کا اصلی اور قدیم رنگ ناقابل التفات ہو جائے

اس لئے ہر صدی کے سرے پر اسلام میں مجددوں کا وعدہ دیا گیا جو دین کو ان نئے انسانوں کی ذہنیت کی رعایت رکھتے ہوئے نوبہ نو اور تازہ بہ تازہ کرتے رہیں اور اس کے اصول و فروع کو نکھار کر اس طرح سامنے لائیں کہ نئے نئے شکوک و شبہات کا قلع قمع بھی ہو جائے اور قدیم مسائل جدید دلائل کے ساتھ اور زیادہ روشن اور صاف ہو کر نئے قرن کے سامنے آجائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاسِ الْاُمَّةِ الشَّيْخَ الْاَمْنٰى اِسْمٰتُہٗ عَلٰی اِسْمٰتِہٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ عَلٰیۤ اَمْرٌ
 مَلٰئِکَۃٌ سَنَۃٌ مِّنْ یَّحْیٰی دِلْہَا دِیْنُہَا۔ کے شروع میں ایسے لوگ پیدا فرماتا ہے گا جو امت
 (مشکوٰۃ شریف) کیلئے دین کو تازہ بہ تازہ اور نوبہ نو کرتے رہیں۔

لیکن اس کے بعد یہ اندیشہ
دین کے معیار کی زندہ جماعتیں
 صدی کے اندر اندر بھی باقی

ہر ہمتا تھا کہ اشرار و فجار اور ملحدین و منافقین اسلام کے نام سے اسلام کا حلیہ تبدیل کر دیں اور اسلام میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اسے صحیح العقیدہ لوگوں کے لئے مشتبہ بنانے کی کوشش کریں۔ لوگ تو مجدد کے انتظار ہی میں رہیں اور یہ شر پسند اور کج فہم گروہ رکیک تاویلات اور غلو آمیز کادشوں سے دین میں زندقہ الحاد پھیلانے میں کامیاب ہو جائے جس سے دین کے بنے بنائے نظام میں خلل پڑ جائے اور اس طرح دین سے دنیا کا اعما و اٹھ جائے تو صدی کے سرے کی قید چھوڑ کر صدی کے اندر اندر بھی سلف صالحین کے

اخلافِ رشید پیدا کرتے رہنے کا وعدہ دیا گیا اور اطمینان دلایا گیا کہ امت پر صدی کے اندرونی حصے اور درمیانی دور میں بھی کوئی وقت ایسا نہ آئے گا کہ امت کو سلف کے نمونہ کے خلف نہ مل سکیں؛ نہیں بلکہ ضرور ملیں گے جو اپنے صحیح علم و نظر اور نکھری ہوئی شرعی حجّتوں سے انساں نمائشیاطین کی دوسرے اندازوں اور وسیع کاریوں کا پول کھولتے رہیں گے اور دین پر کسی نہج سے بھی آنح نہ آنے دیں گے
ارشادِ نبوی ہے

يَجْلُ هَذَا الْعِلْمُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوًّا (سلف کے بعد اخلات میں سے ایسے معتدل لوگ

ینفون عنه تعریف الغالین و انتحال ہمیشہ اس علم (دین) کے حامل ہوتے رہیں گے

المبطلین و قاول الجاہلین۔ جو غلوزرہ لوگوں کی ترفیہوں اور باطل پرستوں

(مشکوٰۃ شریف) کی دروغ بانیوں اور تلیسوں اور جاہلوں کی ریک

تاویلوں کا پردہ چاک کرتے رہیں گے (اور ان

خرافات کی نفی کرتے رہیں گے)

لیکن پھر سلف و خلف میں بھی بہر حال کچھ نہ کچھ فصل اور وقفہ ضرور

ہوتا ہے۔ سلف کے بعد خلف کو بنتے ہوئے بھی بہر حال کچھ نہ کچھ دیر ضرور لگتی

ہے اندیشہ تھا کہ سلف کے اٹھنے پر جبکہ خلف ابھی تکمیل کو نہ پہنچے ہوں

باطل پرست میدانِ خالی دیکھ کر آدھمکیں اور وقت سے ناجائز قائدہ اٹھاتے

ہوئے اپنا ابلیسی کام کر گزریں جس سے امت میں ذہنی انتشار اور تشویش

راہ پا جائے اور دین رخصت ہونے لگے تو امت کو اطمینان دلانے کے لئے یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ کوئی بھی ساعت اور وقفہ امت پر ایسا نہ گذرے گا کہ اس میں ہمہ وقت کوئی طائفہ حقہ موجود نہ رہے جو مؤید من اللہ اور منصور بجانب اللہ ہو یعنی امت مرحومہ کو ہرگز پریشان نہ ہونا چاہیے و لا وارثی امت نہیں زندہ نبی کی امت اور زندہ شریعت کی پیروی ہے جس میں دین کے معیار کی زندہ جماعتیں ہمیشہ برقرار رہیں گی۔ فرمایا گیا

عن معاوية قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول انکم من امتی اللہ معاویہ منہ یتلے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں ایک

قائمۃ پام اللہ لا یضرہم من جماعت ہمیشہ امر حق پر قائم رہے گی نہ ان کو کسی

خذ لہم ولا من خالفہم حتی یاتی کاروا کرنا سوا کر کے گا اور نہ کسی کا فلان انہیں

امر اللہ صمد علی ذلک۔ (بخاری مسلم) نقصان پہنچانے کا یہاں تک کہ قیامت آجائے

اور وہ اسی حالت پر مستقیم ہوں گے۔

دین کی نافعیت امت کے تمام قرآن مبین | حتیٰ کہ اگر امت کو یہ بھی خطرہ پیدا

ہو کہ قیاموں کے گزرنے سے گو دین باقی رہے لیکن اس کی وہ کیفیت اور رسوخ

کی شان نہ رہے جو سلف میں تھی تو دین کی صورت ہی صورت باقی رہ جائیگی

جس میں حقیقت نہ ہوگی تو ایسے بے حقیقت دین کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا۔

اس لئے اس کا بھی اطمینان دلایا گیا کہ اُمت کی حیرت کسی خاص دور کے طبقہ کیساتھ مخصوص نہیں خواہ وہ اَدل کا ہو یا آخر کا بلکہ دین کی خوبی و خوبصورتی وہی اگل کیفیت و حقیقت اور وہی اصلی خیر و برکت ہر دور میں قائم رہیگی چنانچہ بشارت دی گئی کہ

البشر و البشرا انما مثل امتی مثل بشارت حاصل کرو اور خوشخبری لو کہ میری امت

الغیث لا یدری آخرہ و خیرا من اولہ الخ کی مثال بارش کی سی ہے نہیں جانا جاسکتا

کہ اس کا اَدل تفرہ زمین کے لئے زیادہ نافع تھا

یا آخر کا

یعنی خیریت اور نافعیت اُمت کے تمام قرون میں پھیلی ہوئی ہے درجات و مراتب کا فرق ضرور ہو گا مگر اصل خیر ہر مرحلہ پر بدستور قائم رہیگی بہر حال ہر صدی کے سرے پر صدی کے اندر اور ہر صدی کی ہر ساعت میں ایسی شخصیتوں کے وجود و بقا کی خبریں اور وعدے لسانِ نبوت پر دیئے گئے ہیں جو دین کی حفاظت و صیانت کیلئے جارحہ حق اور وسائلِ الہی ثابت ہوں گی جس سے دین اپنی اصلی صورت و حقیقت اور کیفیت و کیفیت کے ساتھ تاقیام و قیامت باقی اور محفوظ رہے گا۔ اور کوئی وقف بھی ہر مسرت پر پرانقطن حق کا نہیں گذرے گا۔

دین کی دو اصلیں | مگر یہ ظاہر ہے کہ دین کی یہ حفاظت بیرونی

اور خارجی وسائل سے متعلق ہے ذاتی حفاظت یہ ہے کہ خود دین اپنی
 ساخت پر واخت اور وضع کے لحاظ سے امنٹ اور بذات خود محفوظ رہنے
 کی اسپرٹ اپنے اندر رکھتا ہو اسلامی شریعت اپنے اصول و مہانی اور ذرائع
 و براہین کے لحاظ سے بذات خود بھی من جانب اللہ محفوظ و امنٹ ہے جس میں
 کسی رخنہ اندازی کی گنجائش نہیں یعنی حفاظت دین کی دوسری صورت بھی
 اختیار کی گئی کہ خود اسکی ذاتی حجت کو امنٹ بنایا گیا اور اس طرح کہ اس دین کی
 دہی اصلیں ہیں جو مصدر شریعت اور دین کا سرچشمہ ہیں، کتاب اللہ
 اور سنت رسول اللہ ﷺ اس دین کی دو اصلیں اور بھی ہیں جن کا نام اجماع
 اور قیاس ہے جو بلاشبہ واجب الطاعت ہیں چنانچہ قرآن حکیم نے امت
 پر تین ہی اطاعتیں فرض بھی فرمائی ہیں۔ اطاعت خدا اطاعت رسول اور
 اطاعت اولی الامر یعنی راسخین فی العلم کے اجتہادی نظام کی اطاعت
 یا اس قسم کے ہم قرن اہل رسوخ کی اجماع کردہ شئی کی اطاعت جو یقیناً حجت
 شرعی ہے لیکن یہ قیاس اور اجماع کی دونوں اصلیں باوجود حجت شرعیہ
 ہونیکے تشریعی نہیں بلکہ تفریعی ہیں جو مستقل بالحجۃ نہیں جب تک کہ ان کا
 رجوع کتاب و سنت کی طرف نہ ہو کیونکہ بایضاح علیہ (جس پر اجماع کیا جائے)
 وہی معتبر ہو سکتا ہے جس پر پہلے سے کوئی دلیل کتاب و سنت سے قائم ہو
 ورنہ مجرد میل اور محض ہوتی ہے کسی چیز پر جمع ہو جانا اجماع نہیں ورنہ حالیکہ

امت میں ایسا اجماع جو گمراہی پر ہو ہو بھی نہیں سکتا اسی طرح قیاس کی مقیاس
 (یعنی قیاسی جزیہ) وہی معتبر ہو سکتا ہے جس کا مقیاس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے)
 کتاب و سنت میں موجود ہو اور اس مقیاس اور مقیاس علیہ میں کوئی رشتہ
 جامعیت بھی ہو جو منصوص کے حکم کو غیر منصوص میں منتقل کر دے پس اُن کی
 تشریحی حیثیت خود اصل نہیں بلکہ کتاب و سنت کے تابع ہے اس لئے دین کی مستقل
 حجت اور تشریحی اصلیں وہی رہ جاتی ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے سنت
 رسول اللہ گو بعض علماء نے ایک تیسری چیز اجتہاد نبوت کو بھی مستقل حجت
 اور مصدر احکام کہا ہے لیکن وہ بھی مستقل بالاحتیاج نہیں کیونکہ جب کوئی حکم
 منصوص نازل نہوتا اور بعد انتظار آپ اجتہاد فرماتے تو در صورتِ صواب بذریعہ
 وحی یا سکوت رضا آپ کو اس پر مستقر کر دیا جاتا جو حکم میں سنت کے ہو جاتا اور نہ علی
 الفور تنبیہ کر کے اس سے ہٹا دیا جاتا تھا اس لئے اس کا مرجع بھی بالآخر وحی
 ہی نکلی متلو نہو یا غیر متلو یعنی کتاب اللہ یا سنت نبوی۔ اس لئے مستقل حجتیں وہی
 دو رہتی ہیں کتاب اور سنت اور جب کہ یہی دو اصلیں تشریحی تھیں جو آخر
 کی دو تفریحی اصولوں سے بالاتر بلکہ اُن کی اساس تھیں تو قرآن کریم نے جس طرح
 چاروں اصولوں کو وجوب اطاعت میں جمع فرمایا تھا جس کی طرف ابھی اشارہ گذرا
 اسی طرح اکثر مواقع پر صرف ان دو اصولوں کو وجوب اتباع میں جمع فرمایا ہے
 گویا نفس حجیت میں قرآن وحید کو مساوی اور متوازی شمار کیا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے:-

يا ايها الذين امنوا طيعوا الله واطيعوا لى ايمان والوا طاعة كرو الله كى اور اطاعت

الرسول ولا تبطلوا اعمالكم كرو رسول كى اور اپنے عمل كو باطل مت كرو

اور کہیں فرمایا :-

واطيعوا الله واطيعوا الرسول واحذروا اور اطاعت كرو الله كى اور اطاعت كرو رسول

كى اور ڈرتے رہو۔

کہیں ارشاد ہوا :-

يا ايها الذين امنوا استجبوا لله اے ايمان والوا حاجت كرو الله كى حكم كى اور

واللرسول اذا دعاكم رسول كى حكم كى جب كه ده منتهى بلائى

کہیں فرمایا :-

وما كان لمومن ولا مؤمنة اذا قضى اور كسى مومن اور مؤمنه كى لى اختيار نهى

الله ورسوله امر ان يكون لهم رهتا (كه لائى يانه مانى) جب الله ورسوله كى

الخيرة من امرهم طرف لى كسى امر ملى حكم آجائے۔

ان آیات سے کلامِ خدا اور کلامِ رسول کا مستقلاً حجت شرعیہ

ہونا واضح ہے جو حجتِ قرآن کے ساتھ ساتھ حجیتِ حدیث کی بھی روشن

دلیل ہے لیکن پھر ان دونوں اصولوں میں باوجود دونوں کے حجتِ مستقلہ

ہونے کے باہم ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ کتابِ حجۃ قاطع ہے اور حدیث

سوائے متواتر کے حجتِ ظنی ہے کیونکہ حدیث غیر متواتر کا ثبوت اس

درجہ کا نہیں جس درجہ کا قرآن حکیم ہے۔ اس لئے جو درجہ ان کے ثبوت کا ہے وہی درجہ ان کی حجت کا بھی ہے۔

نیز قرآن حکیم اصل
کلی ہے اور حدیث اس
کا بیان ہے جس کے
بغیر قرآن حکیم کے

رسول نور مطلق اور ظلمت محض
میں واسطہ وصول ہے

مضمرات اور مرادات کا انکشاف دستور بلکہ عادت نامکن ہے کیونکہ قرآن
کریم اسلام کا صرف بنیادی قانون اور دستور اساسی ہی نہیں بلکہ معجزہ
بھی ہے جو اپنے لفظ و معنی اور تعبیر و مفہوم دونوں ہی کے لحاظ سے اعجازی
شان رکھتا ہے نہ الفاظ کی ترکیب اور جوڑ بند اور انداز بیان ہی میں اس کا
مثل لایا جانا مخلوق سے ممکن ہے اور نہ ہدایت و احکام کی جامعیت
علوم و معارف کی گہرائی اور مضامین کی ہمہ گیری ہی میں اس کی نظیر
بنا لیا جانا ممکن ہے چنانچہ اس کی تعبیر نے دنیا کو تھکا دیا کہ وہ اس کے چیلنجوں
کے باوجود اس کا مثل نہ لاسکی ایسے ہی اس کی مغوی و سعتوں اور ہمہ گیر
گہرائیوں نے بھی دنیا کو عاجز کر دیا کہ وہ اس جیسی جامع علوم و معارف اور
حادثی احکام و اصول کتاب یا اس کے کسی جزو جیسا کوئی جزو لاسکے جسکی
یک ایک تہ اور شکن میں صد باعلوم کے دریا کھپے پڑے ہیں جو تیرہ صدیوں

سے مسلسل نکلتے چلے آ رہے ہیں اور ہنوز ان کی تیاہ کا پتہ نہیں۔

حرفِ حرفش راست اندر معنی

معنی در معنی در معنی

ظاہر ہے کہ اتنے بے شمار اور لفظ لفظ میں سمجھتے ہوئے علوم و معارف کا اس میں سے نکال لانا بھی عامۂ خلایق کے فہم سے بالاتر تھا ورنہ اگر بشریت کا دماغ اور فہم اتنا جامع اتنا ہمہ گیر اور اتنا وسیع و عمیق ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان سے ایسے کلام کے بنالینے یا کسی نہ کسی حد تک اس کے مثل لے آنے کی توقع نہ کی جاسکتی اور یہ بالکل ہی ناممکن ہوتا۔ آخر قرآن جیسا کلام جن دانش ملک اس لئے تو نہیں لاسکتے کہ ان کے ذہن و ذکر فہم و عقل اند علم و ادراک میں وہ لا متحدیدی اور ہمہ گیری نہیں جو ایسے اعجازی کلام کے لئے ضرکار ہے اس لئے اس تنگی فہم اس محدودیت ذہن اور قلیل و علیل عالم میں یہ سکت نہیں کہ وہ قرآن جیسا وسیع و عمیق اور معجزانہ کلام صادر کر سکے سو ہی تنگی فہم اور محدودیت ذہن و فکر یہاں بھی موجود ہے جو اس معجز کلام کے تمام مشمولات کے سمجھنے میں اپنے عجز و ذر ماندگی کو نہیں چھپا سکتی اور اس میں یہ گنجائش نہیں نکل سکتی کہ وہ قرآن کے معجزانہ اصولی اور کلی جملوں سے نکلتے ہوئے دقائق و حقائق کا ادراک اور کسی کمی معانی اور وجہ میں سے مراد اور غیر مراد کا تعین محض اپنے فہم کے بل بوتہ پر بلا کسی

رہنمائی کے از خود کر سکے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے مطالب و مرادات کے بیان کی ذمہ داری خود لے کر اس بارہ میں اپنے رسول کو اپنا ترجمان بنا کر بھیجا۔ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بھی لایا جاسکتا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات لا محدود ہے اسی طرح اُس کی صفات کمال بھی لا محدود ہیں۔ اور ہر بندہ اپنے ظاہر و باطن جسم و روح قلب و دماغ فکر و فہم اور عقل و فراست سب کے لحاظ سے محدود اور متناہی ہے۔ اس لئے یہ کسی چیز کا ادراک بغیر تحدیدات تعینات اور تشخیصات کے نہیں کر سکتا اور اس کے لئے کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ محدود رہتے ہوئے لا محدود ذات و صفات تک رسائی پائے یا اس کا ادراک و معرفت کرے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کے درمیان بندوں ہی میں ایک برزخ اور درمیانی طبقہ پیدا فرمایا جو اپنے مخصوص کمال اور ما فوق العادت احوال کے لحاظ سے تو ذات حق سے قریب تر اور اس کے کمالات کا نمونہ ہوتا ہے اور اپنے تعینات کے لحاظ سے بندوں میں شامل اور کمال بشریت کا نمونہ ہوتا ہے۔ ع

ادھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل

یہی طبقہ انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے جو نور مطلق اور انسان جیسے ظلمت محض میں واسطہ وصول و قبول ہے پس جب کہ کمالات ربانی کے نمونے نبی کی ذات قدسی صفات میں ظہور کرتے ہیں تو بندوں کے لئے سہل

ہو جاتا ہے کہ اس سے وابستہ ہو کر جس سے وابستگی بوجہ مخلوقیت کے اشتراک کے ممکن ہوتی ہے (حسب استعداد خدا تک رسائی پالیں ورنہ بغیر اس کے کمالات خداوندی کے مشغول اور متعلین ہو کر سامنے آنے اور مخلوق کے اُن سے وابستہ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

کلام خداوندی تک بلا کلام رسول
فہم کی رسائی ناممکن ہے

اسی کے ساتھ یہ
حقیقت بھی غور
کرنے کے قابل ہے
کہ پیغمبر کی زبان سے

ہر کلام ہدایت کسی نہ کسی کیفیت سے صادر ہوتا ہے یہ کیفیات ظاہر ہے کہ نفسانی نہیں ہوتیں جو ہر کس دنیا کس پر طاری ہو سکتی ہیں بلکہ روحانی طور پر حمانی ہوتی ہیں اس لئے وہ کلام درحقیقت اسی متعلقہ کیفیت میں ڈوبا ہوا اسی سے سرزد ہوتا ہے اور اسی کا منظر ہوتا ہے گویا وہ کیفیت، الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس کیفیت سے یہ کلام چل کر اسی کیفیت کی طرف لوٹتا بھی ہے جس سے یہ کیفیت قلب میں اور زیادہ مستحکم ہو کر جڑیں پکڑتی ہے گویا اس کلام کے اول و آخر روحانی اور روحانی کیفیت چھائی رہتی ہے غور کیا جائے تو اس کلام کی مراد درحقیقت اسی کیفیت میں چھپی رہتی ہے کیونکہ کلام کسی نہ کسی مقصد کے لئے کیا جاتا ہے اور مقصد

رہنمائی کے از خود کر سکے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے مطالب و مرادات کے بیان کی ذمہ داری خود لے کر اس بارہ میں اپنے رسول کو اپنا ترجمان بنا کر بھیجا۔ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بھی لایا جاسکتا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات لا محدود ہے اسی طرح اُس کی صفات کمال بھی لا محدود ہیں۔ اور ہر بندہ اپنے ظاہر و باطن جسم و روح قلب و دماغ فکر و فہم اور عقل و فراست سب کے لحاظ سے محدود اور متناہی ہے۔ اس لئے یہ کسی چیز کا ادراک بغیر تحدیدات تعینات اور تشخیصات کے نہیں کر سکتا اور اس کے لئے کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ محدود رہتے ہوئے لا محدود ذات و صفات تک رسائی پائے یا اس کا ادراک و معرفت کرے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کے درمیان بندوں ہی میں ایک پرزہ رخ اور درمیانی طبقہ پیدا فرمایا جو اپنے مخصوص کمال اور مافوق العادت احوال کے لحاظ سے تو ذات حق سے قریب تر اور اس کے کمالات کا نمونہ ہوتا ہے اور اپنے تعینات کے لحاظ سے بندوں میں شامل اور کمال بشریت کا نمونہ ہوتا ہے۔ ع۔

ادھر اللہ سے واصل اور مخلوق میں شامل

یہی طبقہ انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے جو نور مطلق اور انسان جیسے ظلمت محض میں واسطہ وصول و قبول ہے پس جب کہ کمالات ربانی کے نمونے نبی کی ذات قدسی صفات میں ظہور کرتے ہیں تو بندوں کے لئے سہل

ہو جاتا ہے کہ اس سے وابستہ ہو کر جس سے وابستگی بوجہ مخلوقیت کے اشتراک کے ممکن ہوتی ہے (حسب استعداد خدا تک رسائی پالیں ورنہ بغیر اس کے کمالات خداوندی کے متعین ہو کر سامنے آنے اور مخلوق کے اُن سے وابستہ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

اسی کے ساتھ یہ
حقیقت بھی غور
کرنے کے قابل ہے
کہ پیغمبر کی زبان سے

کلام خداوندی تک بلا کلام رسول
فہم کی رسائی ناممکن ہے

ہر کلام ہدایت کسی نہ کسی کیفیت سے صادر ہوتا ہے یہ کیفیات ظاہر ہے کہ انسانی نہیں ہوتیں جو ہر کس دنیا کس پر طاری ہو سکتی ہیں بلکہ روحانی اور حمائی ہوتی ہیں اس لئے وہ کلام درحقیقت اسی متعلقہ کیفیت میں ڈوبا ہوا اسی سے سرزد ہوتا ہے اور اسی کا مظہر ہوتا ہے گو یا وہ کیفیت، ہی الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس کیفیت سے یہ کلام چل کر اسی کیفیت کی طرف لوٹتا بھی ہے جس سے یہ کیفیت قلب میں اور زیادہ مستحکم ہو کر جڑیں پکڑتی ہے گو یا اس کلام کے اول و آخر روحانی اور روحانی کیفیت چھائی رہتی ہے غور کیا جائے تو اس کلام کی مراد درحقیقت اسی کیفیت میں چھپی رہتی ہے کیونکہ کلام کسی نہ کسی مقصد کے لئے کیا جاتا ہے اور مقصد

کسی نہ کسی باطنی کیفیت کا مقتضا ہوتا ہے اس لئے قدرتی طور پر کلام کی
 صحیح مراد کو وہی پاسکتا ہے جو کسی نہ کسی حد تک اس کیفیت سے آشنا اور
 اس سے ہم آہنگ ہو عاشق کی مراد کو عشق آشنا ہی پوری طرح جان سکتا
 ہے عالم کی مراد کو علم آشنا ہی سمجھ سکتا ہے صنّاع کی مراد کو صنعت آشنا
 ہی پوری طرح پاسکتا ہے اس لئے کلام رب کو رب آشنا ہی کسی نہ کسی
 حد تک پاسکتا ہے جو ربانی کیفیات سے کسی حد تک مانوس ہو ورنہ
 بے کیف اور نا آشنا ممکن ہے کہ کلام کے لغوی مفہوم اور معنی اول
 تک پہنچ جائے لیکن متکلم کے صحیح منشاء و مراد تک اس کیفیت سے
 مانوس ہونے بغیر پہنچنا عادت کے خلاف ہے چہ جائیکہ وہ لوگ
 جو ان کیفیات کی مُضاد اور ضد کیفیات سے مانوس اور ان میں غرق
 ہوں تو عادتاً وہ مراد کو سمجھانے سے بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے
 جس سے اور اک مراد کا حق ادا ہو جائے اور اگر اتفاقاً وہ الفاظ
 کی مدد سے کسی حد تک مراد حق پر مطلع ہو بھی جائیں تو اس کیفیت
 کے بغیر اس میں مبصر نہیں بن سکتے جس سے اس کی مخفی حقائق ان
 پر کھل سکیں اور ان حقائق میں مضمر شدہ احوال ان پر طاری
 ہو سکیں جن سے حقیقی معرفت کا دروازہ کھلتا ہے اور آدمی مبصر بن
 جاتا ہے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات اور ان میں بھی بالخصوص

صفت علم اور خاص خصوص صفت کلام جو اس کے علوم کی
ترجمان اور معبر ہے اور اس کا منظر اتم قرآن حکیم اپنی اصولیت
کلیت کمال جامعیت اور ان شیون الہیہ سے بھرپور ہونے کی
وجہ سے جن سے یہ کلام سرزد ہوا ہے ذات ہی کی طرح لا محدود
الحقائق لا محدود المعارف اور لا محدود المطالب ہے جو ایک نوع
نہیں بلکہ ماضی و مستقبل اور حال کی ہزار ہا انواع علوم پر حاوی
اور شامل ہے۔

فیه نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم اس میں تم سے پہلوں کی باتیں ہیں اور پچھلوں
و حکم ما بینکم هو الفصل لیس کی خبریں ہیں اور درمیانی حال کے احکام
بالہنر ہیں وہ یقینی چیز ہے مذاق نہیں۔

من تہ کہ من جہا قصم اللہ من جس مگر نے اسے چھوٹا اس کی گردن خدائے
ابتغی الہدی فی غیرہ اضلہ اللہ توڑ دی اور جس نے ہدایت اس کے سوا میں
و هو جبل اللہ المتین و هو الذکر و هو الذی اسکو خدائے گمراہ کر دیا وہ اللہ کی
الحکیم و هو الصراط المستقیم مفرط رسی ہے وہ حکیمانہ یادداشت ہے وہ
و هو الذی لا تزغ بہ الہواء سیدھا راستہ ہے وہ وہ چیز ہے کہ احرا
ولا تلبس بہ الا لسنة ولا سے دلوں کے میلانات ٹیڑھے نہیں ہوتے اور
تشیع منه العلماء ولا یخلق عن زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں اور اس سے علماء

کثرة التردد ولا تنقضی عجائبہ و کبھی سیر نہیں ہوتے وہ کثرت تلاوت سے
 هو الذی لہ تفتہ الجن اذ سمعہ پڑانا نہیں پڑتا اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں
 حتی قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یدیہ جھکتے وہی ہے کہ جب جنات جیسی سرکش
 الی اللہ شد فامنا بہ من قال بہ قوم نے اُسے سنا تو سرکشی سے اک دم
 صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم رکٹ گئے اور یہی کہتے بن پڑا کہ ہم نے عجیب
 بہ عدل ومن دعا الیہ ہدی الی کلام سنا ہے جو بزرگی کی طرف لیجاتا ہے
 صراط مستقیم خذ ہا الیک یا احو کہ تم تو اس پر ایمان لے آئے حقیقت یہ ہے
 (ترمذی عن عمارث الاعور) کہ جو اسے زبان پر لایا اس نے سچ کہا

جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر ملا جس
 نے اس کے ساتھ حکم کیا اس نے الفان کیا
 اور جس نے اس کی طرف بلایا اسے سیدھے
 سچے راستہ کی ہدایت ہوئی۔ سوائے
 اور اسے مضبوط مقام ملے۔

اتنا جامع اتنا ہمہ گیر اتنا وسیع العلم کلام جو ماضی کی خبروں مستقبل
 کی اطلاعوں اور حال کے احکام کو سمیٹتے ہوئے جس کا بولنا سچائی ہو
 عمل اجر ہو حکم عدل ہو دعوت ہدایت ہو اور جس کے عملی عجائبات کی
 کوئی حد و نہایت نہ ہو علماء کا کبھی اس سے پیٹ نہ بھرے

جسکی تعبیرات اصولیت و کلیت کی انتہا پر پہنچی ہوئی ہوں جن کے لفظ
 لفظ سے حقائق و معارف ٹپکے پڑ رہے ہوں جس کی تعبیر ایسی
 حکیمانہ ہو کہ اس کی عبارت سے الگ الگ علوم و احکام نکلیں اور
 اس کی دلالت اشارت سے الگ معارف آہیہ پیدا ہوں اور
 اقتضاء سے الگ پھر اس کی آیات بنیات علاوہ محکم اور ظاہر و صریح
 آیات کے باطنی اسرار کی آیات الگ ہوں جو اس کی نوع بنوع
 اعجازی فصاحت و بلاغت کی غمازی کر رہی ہوں کوئی آیت خفی
 ہے کوئی مجمل کوئی مشکل ہے اور کوئی کنایہ پھر ان ظواہر و بواطن
 کینا تھ باطنی کیفیات اور دقائق نفس پر الگ مشتعل ہوں اور
 نفسیات پر الگ دیانات پر الگ اور سیاسیات پر الگ سو ایسے
 محیر العقول اور اعجازی کلام سے معافی نکالنا مطالب اخذ کرنا
 اور شیون روحانیت سے آشنا بن کر مراد خدا وندی کو غیر
 مراد سے متمیز کر کے سمجھنا ظاہر ہے کہ بلا خدائی رہنمائی کے ممکن
 نہ تھا اور اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی کہ کوئی ایسا کلام
 اس کی تفہیم کا واسطہ بنے جس کا متکلم تو ہم قریشوں میں سے
 ہو لیکن اپنے قلب صافی اور دماغ عالی کی جہت سے عرشوں
 میں سے ہو وہ اس کلام سے متعلقہ شیون آہیہ کے علویں و

ظلال سے بھر پور ہوان کیفیات سے پوری طرح آشنا اور ان کے
 رنگ میں رنگا ہوا ہو جن سے یہ کلام حق نکلا اس تک پہنچا ہے
 ساتھ ہی مویدین اللہ ہو اور خدا نے ہی اُسے اپنی مراد سمجھائی
 ہوئی اور وہی اس کے ظاہر و باطن کی تربیت فرما کر اس کے
 دل و دماغ کو اپنے اس معجز کلام سے ہم آہنگ بنائے ہوئے ہو
 جس سے وہ ان جامع مطالب کی تشخیص و تعین کر کے انہیں
 ہمارے محدود فہموں کے قریب کر دے ظاہر ہے کہ وہ کلام خدا ہی
 کے رسول کا کلام ہو سکتا تھا جس نے اولاً خود کلام الہی کو اللہ سے
 سنا اور اس کی رہنمائی سے سمجھا اور اسی ذوق و کیفیت سے اپنے
 مخاطبوں کو سمجھایا اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ
 رسول اور کلام رسول اتارا تاکہ تلاوت آیات کے بعد تعلیم
 و تربیت کے ذریعہ جو عادتاً کلام اور انہام و تفہیم ہی سے
 ممکن ہے ان کیفیات میں ڈوبے ہوئے معانی کو قلوب سے
 قریب کیا جائے جس کی صورت عادتاً ہی ہو سکتی تھی کہ لب و لہجہ
 ہنیت کذائی سے ماحول کے عرفی مقتضیات سے اور ساتھ ہی
 توسط الفاظ قلبی تاثیر و تصرف سے اس مراد کو نفوس میں اتارا
 جائے اور نہ صرف اتارا ہی جائے بلکہ دلوں کو ان مرادی کیفیات

سے اتنا ہم آہنگ کر دیا جائے کہ مراد حق دلوں میں اتر اتر کر عیسر مراد کے تصور کی بھی نفس میں گنجائش باقی نہ رہے۔ نظر بوجہ بالا کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ذات خداوندی تک بلا رسول کے واسطہ کے ہماری رسائی ناممکن تھی اسی طرح کلام خداوندی تک بلا کلام رسول ہمارے فہموں کی رسائی ناممکن تھی۔

کلام مجید کے نزول اور
شرح و بیان کی ذمہ داری

جس طرح حق تعالیٰ نے اپنا
قانون اور کلام خود ہی اتارنے
کا ذمہ لیا کہ مخلوق خود دلیسا
جامع اور اٹل قانون بنائے

پر قادر نہ تھی اسی طرح اس کے شرح و بیان کی ذمہ داری بھی حق تعالیٰ نے خود ہی لی کہ مخلوق بلا بتلائے اس کے ضما سر اور تخفیات و مرادات کو از خود پالینے پر قادر نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ نزول وحی کے وقت اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کے الفاظ کو یاد رکھنے کے لئے بار بار زبان سے رُٹتے اور تکرار فرماتے تاکہ ذہن میں الفاظ وحی جم جائیں تو حق تعالیٰ نے تکرار لسان سے بایں عنوان روکتے ہوئے کہ

لا تحک بہ لسانک لتعجل بہ (اے پیغمبر اپنی زبان مت بلاؤ جاری نہ کرو)

اول پھر قرأت حق کو محض سنتے رہنے کی ہدایت بایں عنوان

فرماتے ہوئے کہ

فاذا قرأتم انما فاتبع قراءته
جب ہم اس قرآن کو پڑھیں تو آپ صرت
سننے رہیں۔

ذمہ دارانہ ارشاد فرمایا:

ان علینا جمعہ وقرآنہ
ہمارے ذمہ ہے اس قرآن کا آپ کے سینہ
میں جمع کر دینا اور آپ کی زبان سے اسے
پڑھا دینا

یہ ذمہ داری ظاہر ہے کہ وحی کے الفاظ کو سینہ نبوی میں محفوظ کر دینے
سے متعلق تھی کیونکہ پیغمبر کی زبان کی حرکت اور قرأت حق نیز پیغمبر کا
اُسے سننے نہ ہونے کا تعلق الفاظ ہی سے ہو سکتا ہے معنی سے نہیں۔ معنی
نہ رٹنے کی چیز ہے نہ قرأت کی اور نہ سننے کی۔ اس لئے الفاظ
وحی کے بلا کم و کاست سینہ نبوت میں اتار دینے اور محفوظ کر دینے
کی ذمہ داری تو اس آیت سے ثابت ہو گئی۔

اس کے بعد الفاظ وحی کے معنی و مطالب کا درجہ تھا تو
انہیں بھی حضور اکرم پر نہیں چھوڑا گیا یہ کبھی نہیں ہوا کہ آپ آیات
فترانی کو سامنے رکھ کر غور فرماتے ہوں کہ اس آیت کا ایک مطلب
یہ ہو سکتا ہے اور ایک یہ اور ان میں سے فلاں مطلب چونکہ الفاظ پر

زیادہ چسپاں بنے اس لئے یہی مراد خداوندی ہوگا۔ نہیں بلکہ بیان مراد اور معانی مترآن کے کھول دینے کا ذمہ خود حق تعالیٰ ہی نے لیا اور فرمایا۔

ثم ان علينا بيانہ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس مترآن کا بیان

ظاہر ہے کہ یہ بیان اس قرأت کے سوا ہی کوئی چیز ہو سکتی ہے جس کا ذمہ اس آیت کے پہلے ٹکڑے میں لیا گیا تھا اور نہ اس دوسرے ٹکڑے کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ پھر یہ کہ الفاظ کے سنا دینے کو بیان کہتے بھی نہیں قرأت کہتے ہیں بیان کسی مخفی یا مبہم یا غیر معلوم بات کے کھول دینے کو کہتے ہیں جو علم میں نہ ہو سو الفاظ جب کہ حضور سُن چکے اور آپ کے علم میں آچکے تو ان کے کھول دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں بن سکتے تھے کہ یہ علاوہ محاورہ و لغت کے غلط استعمال کے تحصیل حاصل بھی ہوگا جسے محال کہا جاتا ہے اس لئے لامحالہ بیان کا تعلق لغت محاورہ اور عقل کی رو سے الفاظ سے نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ الفاظ کے بعد معانی و مرادات ہی رہ جاتے ہیں جو الفاظ سُن لینے کے باوجود بھی مخاطب پر مخفی رہ سکتے ہیں اس لئے متعین ہو جاتا ہے کہ بیان کا لفظ معانی و مطالب کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ وہ لغتاً بھی معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے اس لئے حاصل یہ نکلا کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام کے معانی

سمجھانے کا ذمہ بھی خود ہی لیا۔

مطالب قرآنی پر کسی کو حاکم نہیں بنایا | جس سے واضح ہو گیا

کہ قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں میں جانب اللہ ہیں پیغمبر علیہ السلام ان دونوں میں مدعی نہیں بلکہ ناقل اور امین ہیں یعنی نزول الفاظ جمع الفاظ حتیٰ کہ استراء الفاظ بھی اُدھر ہی سے ہوا اور بیان معانی شرح مطالب اور تعین مراد بھی اُدھر ہی سے ہوا ظاہر ہے کہ جب پیغمبر کو بھی معانی و مرادات کے سمجھنے میں بیان حق کے تابع رکھا گیا جن پر خود قرآن اُترا تو امت کی کید مجال تھی کہ اُس کے فہم کو مطالب قرآنی پر حاکم بنا کر آزاد چھوڑ دیا جاتا اور وہ سلسلہ معانی میں مدعی یا مجتہد بن بیٹھتی اس لئے اسے بھی حق تعالیٰ نے فہم مراد میں بیان حق ہی کا تابع رکھا اور وہی بیان جو اپنے پیغمبر کے سامنے خود حق تعالیٰ نے دیا تھا جس سے آپ نے مرادات ربانی کو سمجھا تھا اسی بیان کی نقل و روایت کا ذمہ اپنے پیغمبر پر عائد فرما دیا کہ وامت کو اس بیان سے یہ مرادات ربانی سمجھائیں اور تسلیم کر دیں۔ فرمایا :-

لَمَّا لَنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتَيْنِ لِلنَّاسِ بَدْرَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَنَا حِجَابٌ (اے پیغمبر)

ما يقول البصير وعلهم يتفكرون ذکر (تسراں) تاکہ تم اسے لوگوں کے لئے کھول

کھول کر بیان کر دو جو ان کی طرف اتارا گیا اور

تاکہ وہ (خود بھی) تفکر کر سکیں۔

گویا تفکر کا درجہ بھی فہم مراد کے بعد رکھا گیا تاکہ تفکر کا تعلق تعین مراد سے نہ رہے بلکہ اس بیان کے ذریعہ متعین شدہ مراد کے دائرہ میں محدود رہ کر فکر اپنا کام کرے تاکہ اس تفکر سے مرادات خداوندی ہی کے حقائق و لطائف کھلیں غیر مراد چیزیں محض لفظوں کی آلیسکر پیدا نہ کی جائیں کہ وہ معارف الہیہ ہوں گے بلکہ تخیلات نفسانیہ اور ادھام زدہ ہوں گے جو ناقابل التفات فلسفہ ہو گا۔ حکمت نہ ہو گی۔ دوسری جگہ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا :-

وما ننزلنا عليك الكتاب الا لتبين اور ہم نے یہ کتاب تم پر (اسے پیغمبر) نہیں

لهم الذي اختلفوا فيه اتاری مگر اس لئے کہ تم کھول کر بیان کر دو

ان باتوں کو جن میں لوگ جھگڑے (اور اختلافات)

میں پڑے ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ جھگڑایا تو خود قرآن کے بارے میں ہو گا کہ اس کی آیت کے معنی میں لوگ اختلاف ڈالیں اور جھگڑے میں پڑ جائیں یا معاملات میں ہو گا جس میں ہر فریق اپنے کو حق بجانب

ثابت کرنے کے لئے مترآن ہی سے سند لانے کی کوشش کرتا ہو اور
 اس طرح معاملہ کے حکم میں اختلاف پڑ جائے دونوں کا مترادف واقعی
 علاج بیان رسول کو بتلایا گیا جس سے معنی اور معاملہ کا ایک رخ متعین
 ہو جائے پس یہ بیان دو مختلف باتوں میں ترجیح اور تشخیص کا کام دیگا
 اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ یہ بیان اس مترآن سے الگ ہو اگر وہ بعینہ
 وہی مترآن ہو تو جب کہ لوگوں نے خود اسی میں جھگڑا ڈالا ہوا ہے
 تو ان جھگڑالو لوگوں کے لئے وہی مختلف فیہ معنی فیصلہ کیسے بن سکیں گے
 اس لئے نبی کے بیان کو جو بیان الہی ہے مترآن کے علاوہ ایک حقیقت
 کہا جائیگا جو ان مختلف پارٹیوں یا مترادف کے سوچے سمجھے مختلف معانی
 کے حق میں مرنج ہو گا جس سے اختلاف چمک جائیگا اور فیصلہ حق سامنے
 آجائے گا۔

حیث نبوی قرآن کا بیان ہے | اس سے صاف واضح
 ہے کہ یہ بیان رسول

اس قرآن سے الگ کوئی چیز ہے جو مترآن کے حقائق اور اوہل
 شدہ معانی کو متعین طریق پر کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جب کہ
 وہ نکلا ہوا اسی نور سے ہے جس سے قرآن نکلا تو اس میں اس
 نور کو نمایاں کرنے کی جو قوت ہوگی وہ کسی دوسرے کلام میں نہیں ہو سکتی

بس اسی بیان کا نام خواہ وہ قوی ہو یا عملی سکوتی ہو یا تفسیری قرآن
 کی اصطلاح میں بیان ہے اور حضور کی اصطلاح میں اُس کا نام حدیث
 یا سنت ہے جو حدّ ثواغی۔ یا علیکم بسنتی سے مفہوم ہوتا ہے یہ بیان
 مبہات قرآنی کیلئے ایضاً ہے مجملات قرآنی کیلئے تفصیل ہے۔
 مشکلات قرآنی کے لئے تفسیر ہے مخفیات قرآنی کے لئے اظہار ہے کفایاً
 قرآنی کیلئے تصریح ہے جس کے بغیر اختلافات کا فیصلہ اور مراعات
 خداوندی کی تعین کی کوئی صورت نہیں اسلئے مجموعہ حدیث نبوی مجموعہ قرآن
 کیلئے یا ہر ہر حدیث نبوی الگ الگ کسی نہ کسی آیت کے لئے بیان ہے
 اور آیتوں کے مضمرات چونکہ مختلف الانواع ہیں اس لئے ان کے یہ بیان
 بھی مختلف الانواع ہیں اور اس لئے ان کے اصطلاحی نام بھی جدا جدا
 ہو گئے مثلاً اگر آیت و روایت کا بعینہ ایک ہی مضمون ہے تو حدیث
 کو بیان تاکید کہا جائے گا۔ اگر آیت کے مختلف محملات میں سے کسی
 ایک احتمال کو حدیث نے متعین کیا ہے تو بیان تعین کیا جائے گا اگر
 آیت کا پیش کردہ حکم مقصدالہ کے لحاظ سے مبہم ہے جسے حدیث
 نے مشخص کیا ہے تو بیان تقریر کہا جائے گا۔ اگر آیت کے کسی اجمال کو
 حدیث نے کھولا اور پھیلا یا ہے تو بیان تفصیل ہوگا۔ اگر آیت کے کسی چھوڑے
 ہوئے مضمون مثلاً کسی قصہ کے ٹکڑے کو یا دلیل کے کسی مقدمہ کو حدیث نے

اُس کے ساتھ ملا دیا ہے تو بیان الحاق کہا جائے گا اگر آیت کے حکم کی وجہ حدیث نے ظاہر کی ہے تو بیان توجیہ کہا جائے گا اگر آیت کے کسی کلیہ کا کوئی جزئیہ حدیث نے ذکر کر دیا ہے تو بیان تمثیل ہوگا اگر حکم آیت کی علت حدیث نے واضح کی ہے تو بیان تعلیل کہا جائے گا اگر کسی قرآنی حکم کے خواص و آثار حدیث نے کھولے ہوں تو بیان تائیسر کہا جائے گا۔ اگر کسی حکم آیت کی حدود حدیث نے واضح کی ہوں تو بیان تحدید کہا جائے گا۔ اگر کسی عام کا کوئی فرد مشخص کر دیا ہو تو بیان تخصیص کہا جائے گا۔ اگر آیت کے کسی جزئیہ کے مشابہ کوئی جزئیہ کسی مشترک علت کی بنا پر حدیث نے پیش کیا ہو تو بیان قیاس کہا جائے گا اگر آیت کے کسی اصول کلی سے حدیث نے کوئی جزئیہ مستنبط کر کے پیش کیا ہے تو بیان تفریع کہا جائے گا اگر قرآن کے کسی جزئیہ سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کر کے نمایاں کیا ہو تو بیان استخراج کہا جائے گا وغیرہ وغیرہ جنکی مثالیں طول کے خیال سے نقل نہیں کی گئیں غرض حدیث نبوی قرآن کا بیان ہے اور بیان کی مختلف انواع ہیں جو نوعیت مضامین کے لحاظ سے مشخص ہوتی ہیں اور انہی کی مناسبت سے اس بیان کا نام اور عنوان مشخص ہوتا ہے۔

کتاب سنن ترمذی باب فی بیان ما یجوز من النکاح والطلاق والطلاق

مجتہد یا راسخ فی العلم کا ہے کہ سنت کے ان بیانات کی نوعیت کا پتہ چلا کر اسی کے مناسب اس بیان کو کتاب اللہ کی طرف رجوع کر دے۔ اور اس بیان کو اس سے ماخوذ ثابت کر دے مگر اس میں نہ ہر کس و نا کس کا قسم معتبر ہے نہ ہر ایک کو یہ علمی قوت حاصل ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مابیني علاقتہ اور رابطہ کا پتہ چلا کر اس پر حکم لگائے یہ کام ارباب استنباط اور اصحابِ تفقہ واجتہاد کا ہے کہ وہ اس غامض علم پر بتو نیک خداوندی مطلع ہوں اور عوام علماء کو مطلع کریں۔

بہر حال جس قدر بھی حدیثی احکام ہیں وہ درحقیقت قرآن ہی سے ماخوذ اور اسی کا بیان ہیں البتہ ان کی خاص نوعیت کی وجہ سے

حدیث شریعت کی حجۃ مستقلہ بھی ہے

ان میں دو جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک جہت تابع قرآن ہونے کی ہے سو اس جہت سے اس کا نام بیانِ شریعت ہو گا گو اس بیان اور قرآن کا درمیانی واسطہ دقیق ہو اور تعبیر عینی علم کے ہر ایک پر نہ کھلے۔ دوسری جہت اس کی تشریع احکام کی ہے اس کی رو سے حدیث ایک مستقل مصدر تشریع اور شریعت کی حجۃ مستقلہ ثابت ہوگی اس لئے جن نصوص سے حدیث کا بیان ہونا واضح ہوتا ہے ان سے تو حدیث کی تابعیت اور غرضیت

کی شان نمایاں کی گئی ہے اور جن نصوص سے حدیث مصدر تشریع ثابت ہوتی ہے اُن سے اس کے احکام کو مثل احکام قرآن بتلا کر حدیث کا قرآن کے مماثل حجت شرعیہ ہونا واضح کیا گیا ہے جیسے حدیث نبوی میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(الاحی اوتیت القرآن ومثلہ معہ خبردار رہو کہ مجھے قرآن کے ساتھ اس کا

مثل بھی دیا گیا ہے (ابوداؤد)

یا سنر مایا گیا ہے

وان ما حرّم رسول اللہ کما ابحق رسول اللہ نے بعض چیزیں حرام کی ہیں جیسے
حرّم اللہ - اللہ نے حرام کیں۔

اس سے تشریعی طور پر حدیث کی استقلالی شان واضح کی گئی ہے رہا یہ پہلو کہ بعضے وہ احکام جو احادیث میں ہیں اور قرآن میں نہیں جیسے "مقدام بن معدی کرب کی حدیث میں آپ نے حجّیت حدیث اور اس کی مستقل تشریعی شان کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا کہ حمار اہلی کی حرمت قرآن میں نہیں اسے رسول اللہ نے حرام کیا ہے یا درندوں کے گوشت کی حرمت کلام اللہ میں نہیں کلام رسول میں ہے وغیرہ وغیرہ جن سے حدیث کی نہ صرف مستقل شان تشریع ہی قرآن سے الگ ہو کر ثابت ہوتی ہے بلکہ بظاہر بعض احکام کا قرآن سے علاوہ بھی ثابت نہیں ہوتا جو بظاہر

حدیث کے بیانِ قرآن ہونے کے منافی اور سابقہ دعویٰ کے خلاف ہے جس میں تمام احادیث کے بیانِ قرآن ہونے کا ادعیٰ کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ یہ روایت اور یہ احکام حدیث بھی بیانِ قرآن ہونے سے نہیں نکل سکے کیونکہ اس قسم کی روایات کے احکام کو ہر ذی طور پر کسی خاص آیت میں نظر نہ پڑیں مگر وہ کلی طور پر آیت کے ذیل کے بیان ثابت ہوں گے جسے قرآن نے ایک مستقل اصول کی حیثیت سے بیان فرما دیا ہے

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

دیا اس سے رکھ جاؤ

پس اس قسم کے تمام احکام جن کو اللہ کے رسول نے مشروع فرمایا ہے درحقیقت اس مذکورہ آیت کا بیان واقع ہو رہے ہیں جس میں رسول کو خود احکام دینے کی ہدایت دی گئی ہے اور تشریع رسول کو تشریع الہی کے متوازی قرار دیا گیا ہے گویا اوپر کی دو ذکر کردہ حدیثیں درحقیقت اس آیت کا بیان واقع ہو رہی ہیں اور اس طرح حدیث نبوی کے دیئے ہوئے مستقل احکام سب اسی آیت کے نیچے آکر بیانِ قرآن ثابت ہو جائیں گے چنانچہ سلف صالحین اور صحابہ کرام

ایسے مستقل حدیثی احکام کو اسی آیت کی رو سے قرآنی احکام اور بیانِ قرآن کہتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک بڑھیا نے کہا کہ آپؐ گودھنے والی عورت پر لعنت کرتے ہیں حالانکہ قرآن میں گودھنے کی ممانعت کہیں بھی نہیں ہے۔ فرمایا کاشش تو قرآن پڑھتی ہوتی کیا قرآن میں یہ آیت نہیں ہے کہ جو رسول لا کر دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ کہا ہاں یہ تو ہے فرمایا کہ بس اسی کی رو سے رسول نے داسمہ (گودھنے والی) پر لعنت کی اور اس فعلِ قبیح سے روکا تو یہ حکم رسول اس آیت کا بیان ہو کر قرآنی حکم ہو گیا یا جیسے امام شافعیؒ نے ایک بار حرم مکہ میں بیٹھ کر علمی جوش میں فرمایا آج میں ہر سوال کا جواب قرآن سے دوں گا۔ تو کسی نے حرم میں قتلِ زہور (قتلِ مارنے) کا حکم پوچھا کہ قرآن میں کہاں ہے؟ (جو امام شافعیؒ کا مذہب ہے) فرمایا آیت مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذْهُ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ (میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتداء کرو) سے ابو بکر و عمر کے حکم کا ماننا واجب نکلا اور عمرؓ نے فرمایا يُقْتَلُ الزَّهْرِيُّ فِي الْحَا ۴ (حرم میں تیتیا بھڑ مارا جاسکتی ہے) اس لئے یہ قتلِ زہور کا حکم بیک واسطہ آیت مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ کا بیان ثابت ہو کر قرآنی حکم ثابت ہوا۔

بہر حال حدیث کی دو جہتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک بیان قرآن ہونے کی جو اس کے تفسیری ہونے کی دلیل ہے اور ایک اس کے مستقل حجت ہونے کی جو محقق رشتہ سے گویا قرآن بھی ہو مگر جلی طور پر وہ حکم رسول اور علم حدیث ہے جو حجیت میں اس کے مماثل قرآن ہونے کی جہت ہے اس لئے حدیث میں ان دو پہلوؤں کے لحاظ سے دو شانیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک اصل ہونے کی اور ایک فرع ہونے کی۔ سو وہ قرآن کے لحاظ سے توفرع مانی جاوے گی کہ وہ اس کا بیان ہے۔ اور بیان تابع اصل ہوتا ہے اور اجتہادی فقہوں کے لحاظ سے اصل مانی جاوے گی۔ کہ احکام اُس سے ماخوذ بھی ہیں اور اس سے شرح شدہ بھی ہیں۔ اس طرح حدیث ایک برزخ کبریٰ ثابت ہوئی جو قرآن سے علم لیتی ہے اور فقہ کو دیتی ہے۔ اگر حدیث درمیان میں نہ ہو تو فقہ کا کوئی جوڑ براہ راست قرآن سے نہیں لگ سکتا اور مفہوم بھی نہیں ہو سکتا۔

حدیث کا تعلق قرآن اور فقہ کیساتھ | اسی بنا پر امت میں حدیث نبوی کی جو اہمیت تسلیم

کی گئی ہے۔ وہ کسی علم کی نہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کی تو تفسیر ہے اور فقہ کا متن ہے۔ اس لئے حدیث کے بغیر نہ قرآن حل

ہو سکتا ہے نہ فقہ بن سکتا ہے۔ اس لئے ائمہ اور حدیث
 کی مجلسیں اور حدیث سنانے کی مجلسیں جس دھوم دھام سے
 اسلامی حلقوں میں منعقد ہوئیں۔ دنیا کی کسی قوم میں اس
 کی نظیر نہیں مل سکتی کہ اپنے رسول کے کلام کو اس تحفظ اور
 تیقظ کے ساتھ کسی قوم نے محفوظ کر دکھایا ہو اور اس
 سے نوع بنوع مسائل اور شرائع اور علوم کا استنباط کیا
 ہو۔ حدیث کے بارے میں یہ دھوم دھام درحقیقت قرآن
 فہمی کی دھوم دھام تھی اور ساتھ ہی ساتھ فقہ سازی
 کی دھوم دھام بھی تھی جو (فقہ) قرآن و حدیث کے اجمالات
 کی تفصیل اور کتاب و سنت کے تخم سے نکلا ہوا ایک شجرہ طیبہ ہے
 جس کی جڑ قرآن ہے۔ بنیادی تنہ اور ساق جس پر درخت کھڑا ہوا
 ہے حدیث ہے اور پھول پتیوں کا پھیلاؤ فقہ اور مستنبطات ہیں
 مہر دست اس سے بحث نہیں کہ فقہی اور اجتہادی مسائل کی
 اسلام میں کیا نوعیت ہے اور اس کا حکم کیا ہے؛ بلکہ صرف
 فقہ کے نشو و نما اور وجود پذیر ہونے کی نوعیت پر روشنی ڈالنی ہے
 کہ وہ حدیث کا نتیجہ اور قرآن کا ثمرہ ہے۔ لیکن یہ نتیجہ اور ثمرہ بلا واسطہ
 حدیث وجود پذیر ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لئے حدیث دو بعید چیزوں

کو یا ہم ملا دیتی ہے۔ یعنی کلام مجتہدین کو کلام رب العالین سے مربوط کر دیتی ہے۔ پس جس طرح اللہ اور بندوں کے درمیان رسول واسطہ ہیں کماں کے بغیر بندے خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح کلام خدا اور کلام اجتہاد واسطہ بنایا کے درمیان کلام رسول واسطہ ہے کہ اُس کے بغیر کلام عباد کو کلام خدا سے کوئی سند نہیں مل سکتی۔ اسلئے جو طبقہ بھی حدیث کو ترک کر دیگا نہ وہ قرآن تک پہنچ سکے گا نہ فقہ تک گویا اس کے ہاتھ میں دین کی کوئی بھی اصل اور حجت باقی نہ رہے گی اور وہ محض اپنے نفسانی تخیلات کا بندہ ہوگا۔ جنہیں اغوار شیطانی سے اُس نے فرمان خداوندی سمجھ رکھا ہوگا حالانکہ اس میں کلام خدا اور کلام رسول تو بجائے خود ہے کلام فقہاتک کے سمجھنے کی بھی اہلیت نہ ہوگی۔

بہر حال حدیث نبوی دین کے لئے حجت شرعی، تفریبی مسائل کے لئے ماخذ اور قرآن کے لئے واضح ترین

سند میں کلام کی گنجائش اور حجیت حدیث سے انکار

بیان اور شرح ہے۔ حدیث اپنے ثبوت کے لحاظ سے قطعی سہی، مگر اپنی ذاتی نوعیت کے لحاظ سے قرآن کی طرح قطعی ہے۔ اس میں

ظہنیت اگر آئی ہے تو حدیث ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ سند کے سلسلے سے آئی ہے اگر یہی حدیثی حکم ہیں بلا واسطہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالمشاذہ دیتے تو اس کی اطاعت اسی طرح فرض تھی جس طرح قرآنی حکم کی۔ اس قطعیت میں اگر فرق پڑا ہے تو کلام رسول ہونے کی جہت سے نہیں بلکہ درمیانی دسائط کی وجہ سے جس سے اسکا حکم رسول ہونا قابل غور ہوا کہ نہ حکم رسول کا ماننا قابل تامل ہو ا کیونکہ اُس کے ماننے کی قطعیت تو مآلِ تکمّل رسول سے ثابت شدہ ہے جس کا ماننا قرآن کا ماننا اور جس سے انکار کرنا قرآن سے انکار کرتا ہے۔ نیز اس کی اطاعت بعینہ خدا کی اطاعت ہے۔ من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ، اس لئے اطاعت رسول سے انکار اطاعت خداوندی سے انکار ہے جس سے دونوں کا ماننا قطعیت کیسا تھ فرض ٹھہرتا ہے۔ اس لئے بحث حدیث کی نہیں بلکہ سند اور روایات کی ہے پس اگر اس کی سند و روایت اسی نوعیت کی ہیں جو نوعیت قرآن کی روایت کی ہے تو بلاشبہ وہ حدیث مورث یقین بن جائے گی جیسے حدیث متواتر کہ اس کا ماننا فرض قطعی ہوگا اور اگر سند اور ثبوت میں کسی شبہ کی گنجائش پیدا ہو جاوے تو حدیث موجب ظن ہوگی اس لئے اصولاً انکار حدیث یا انکار حجیت حدیث کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ سند میں کلام کرنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ سو وہ حدیث

یا حجت حدیث کا انکار نہیں۔ اگر کوئی اس گنجائش کی وجہ سے حدیث سے انکاری ہے تو وہ دھوکہ میں ہے کیونکہ اس گنجائش کا اثر زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ مستدرک کے بارے میں چھان بین کی جاوے اور جس درجہ کی سند ہو اسی درجہ کی حدیث سمجھی جائے۔ نہ یہ کہ حدیث یا اس کی حجت سے انکار کر دیا جائے پس اس سے حدیث کے حجت ہونے کے درجات یا اس کی حجت سے درجات متفاوت نکلیں گی یعنی جس درجہ کی سند ہوگی اتنی درجہ کی حد ہوگی اگر سند حدیث کے رجال سب کے سب اصول فن کے لحاظ سے ثقہ اور عادل و ضابط ہو گئے اور ساتھ ہی مسلسل اور متصل ہوں تو حدیث واجب القبول ہو جائے گی ورنہ اس درجہ کی نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ سند میں کلام کی گنجائش ہونے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ حدیث قطعی نہیں یا ثابت نہیں نہ یہ کہ حدیث حجت نہیں یا کلام بھول۔ حجت نہیں ہو سکتا یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ راستہ کی خرابی کی وجہ سے اگر کوئی شخص منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے تو کہہ دے کہ منزل ہی غیر موجود یا معدوم ہو گئی۔ ایسے شخص کو مایہ تلویا کا مریض کہہ کر پاگل خانہ بھیجا جائے گا۔ نہ کہ اس کی جوابدہی کی فکر کی جائے گی۔ اس لئے ضعیف سند وغیرہ کی وجہ سے اصولاً تو انکار حدیث کی گنجائش نہیں نکلتی زیادہ سے زیادہ اس سند خاص کے انکار کی گنجائش مکمل آتی ہے جو اہل فن کی رائے میں مجروح ہو۔ سو وہ انکار حدیث نہیں تنقید سند ہے۔

اس سے بھی زیادہ دشمنی
یہ ہے کہ حدیث کا انکار قرآن
سے سر رکھ کر کیا جائے
حالانکہ قرآن اسے بیان

کلام رسول کے اثبات و تحفظ میں قرآن کا اہتمام

قرآن کہہ رہا ہے اس بیان کو اہمیت دے رہا ہے اس کے بارے میں
خدا کی ذمہ داری دکھلا رہا ہے اور پھر خدا ہی کی طرف سے اس ذمہ داری کو
رسول کے سر عائد کر رہا ہے۔ حال یہ ہے کہ حدیث کے انکار کی گنجائش نہ
تو اس کی سند کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ضعف سند کی صورت میں زیادہ
سے زیادہ گنجائش اس سند خاص کے انکار یا اس پر تنقید کی نکلتی ہے
جسے انکار حدیث نہیں کہا جاسکتا تنقید سند کہا جائے گا ان دونوں کو
ملا کر خلط ملط کر دینا عقل کے مختلط ہونے کی علامت ہے اور نہ ہی حدیث کے
انکار کی گنجائش قرآن کی آڑ لیکر ہو سکتی ہے جبکہ قرآن اسے اپنا بیان کہہ
کر اس کیساتھ خدائی ذمہ داری دکھلا رہا ہے۔ بہر حال کلام رسول کے اثبات
و تحفظ میں قرآن کا یہ اہتمام دیکھتے ہوئے اسی قرآن کو کلام رسول کی تنفی
کی دلیل سمجھ لیا جانا بالکل بولیا سے بھی کچھ آگے ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ نیز اسی
طرح حدیث کا انکار اس وجہ سے کیا جانا کہ اس میں درمیانی روایت کا واسطہ
آگیا ہے اس سے بھی زیادہ دشمنی کی دلیل ہے کیونکہ اس مصنوعی

اصول سے تو قرآن کا اقرار و تسلیم بھی باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ بھی تو ہم تک
بوسائط ہی پہنچا ہے۔ اسی طرح اگر اس وجہ سے حدیث کا انکار کیا جائے
کہ اس کے رِوَاۃ عدد یا کیفیت میں قرآن جیسے نہیں۔ یعنی ایسے اور اتنی نہیں
جیسے اور جتنے قرآن کے ہیں۔ سو اس کا حاصل بھی زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتا ہے
کہ چونکہ فلاں قسم حدیث کی سند قرآن کی سند جیسی نہیں اس لئے ہم اسے قرآن
جیسا قطعی اثبوت نہیں مانتے نہ یہ کہ ہم جنس حدیث کو نہیں مانتے کیونکہ یہ عبارت
کہ رِوَاۃ ایسے اور اتنے نہیں تفاوت سند پر دلالت کرتی ہے نہ کہ انکار
سند پر۔ بہر حال جنس حدیث کے انکار کے لئے کوئی اصولی راستہ نہیں نکلتا کہ
منکرین حدیث اس کے ذریعے راہ مفرا اختیار کریں۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ
یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنس حدیث کے بیان قرآن ہونے سے تو ہمیں انکار نہیں جبکہ
اس کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے لیکن اس جنس کی انواع و اقسام کی اور اس
کے مشخص افراد کا ماننا ہمارے ذمہ ضروری نہیں جبکہ تشخیص کے ساتھ قرآن
نے انواع حدیث کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی۔ لیکن اول تو یہ شبہ
ہی نہیں ہے کیونکہ اگر قرآن کوئی اصل کلمی بیان کر دے تو اسکی جزوی مثالوں
اور فروعات کو اس کی تاریخ میں تلاش کرنا چاہیئے نہ کہ خود اس کے
اوراق میں ورنہ وہ ستور اساعی کیا ہوگا اچھا خاصا بانی لازم ہو کر رہ جائیگا۔
جو اس کی شان کے منافی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن میں تو شریعات کی بنیادیں

ہی قائم کی گئی ہیں۔ ان کی جزئیات کو بھی اسی میں تلاش کرنا قانون اساسی کی وضع سے بے خبری بلکہ اس کے بارے میں بے حسی کی دلیل ہے۔ اسلئے جب جنس حدیث کو قرآن سے ثابت شدہ مان لیا گیا تو اس کی فروعیات اور انواع اقسام کو بالاولیٰ ثابت شدہ مان لیا گیا۔ جبکہ فروعیات جنس میں مدغم ہوتی ہیں اور ضمناً وہ بھی اصل کے ساتھ ثابت شدہ مانی جاتی ہیں اسلئے اصل کے اقرار کے بعد فروع کے انکار کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

البتہ اس سلسلہ میں ایک مطالبہ کسی حد تک جائز سمجھا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ جب قرآن نے جنس حدیث کو خود ثابت کیا اور اس کی اہمیت پر

تعداد و رواۃ کے اعتبار سے روایت کی چار قسمیں

رد شنی ڈالی تو کم از کم اس اہم ترین اصول کی کوئی ایک آدھ مثال تو اسے دے دینی چاہیے تھی جس سے حدیث کے تنوع اور تعدد و انواع کا جواز سمجھ میں آجاتا جس سے آنے والوں کیلئے حدیث کے انقسام اور ان کی عیندیوں کے لئے سند جواز مل جاتی تو میں عرض کروں گا کہ قرآن نے کمال جامعیت کیساتھ یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا ہے اس نے نہ صرف انواع حدیث کی ایک آدھ مثال ہی دیدی ہے بلکہ سند اور جال کے اعتبار سے حدیث کی

بنیادی قسموں پر بھی کافی روشنی ڈال دی ہے جس سے راویوں کی تعداد اور ان کے اوصاف کے لحاظ سے حدیث کا مقام بھی متعین ہو جاتا ہے۔ اور اقسام کی طرف بھی راہ نمائی ہو جاتی ہے۔ اسے سمجھنے کیلئے پہلے اس پر غور کیا جائے کہ محدثین نے حدیث کی بنیادی تقسیم کیا کی ہے جس سے بقیہ اقسام حدیث شاخوں کی طرح اُسی سے شاخ در شاخ ہو کر نکلتی گئی ہیں۔ سو جھڑپ کیساتھ تعداد و رواۃ کے اعتبار سے روایت کی چار ہی قسمیں ہو سکتی ہیں جنہیں محدثین نے فن مصطلحات الحدیث میں ادویت کا درجہ دیا ہے

ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر ہم تک کسی حدیث کی روایت ایک

خبر غریب

ایک راوی سے ہوتی آرہی ہو۔ اگر درمیان میں راوی کہیں ایک سے زائد بھی ہو جائیں تب بھی اُسے ایک ہی ایک راوی کی روایت شمار کیا جا دے گا۔ اس حدیث کا نام محدثین کی اصطلاح میں خبر غریب یا خبر فرد ہے۔ ایسی روایت سے گو قطعی یقین حاصل نہ ہو لیکن ظن ضرور پیدا ہو جاتا ہے جس کا دین و دنیا کے تمام معاملات میں قطعی طور پر اعتبار کیا گیا ہے اور ایسی خبر نہ صرف یہ کہ رو نہیں کی جا سکتی بلکہ اُس پر ہزار ہا دنیوی و اخروی معاملات کا فیصلہ کر دیا جانا ایک مسئلہ اور مردوبہ حقیقت ہے البتہ اس میں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہوں اور ان کے حفظ و عدالت پر کوئی

تہمت نہ ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پیغمبر سے لیکر ہم تک کسی

روایت کو دو وثقہ اور عادل آدمی روایت

خبر عزیز

کرتے آرہے ہوں خواہ درمیان میں کہیں روایۃ کا عدد دو سے بڑھ بھی

جائے مگر وہ دو وہی کی روایت شمار ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ خبر پہلی روایت کی

قوت سند کے لحاظ سے برہمی ہوئی ہوگی اور اس لئے اگر یہ پہلی روایت صرف

ظن کا فائدہ دیتی تھی تو یہ غلبہ ظن کا فائدہ دے گی۔ اور وہ معاملات میں پہلی

سی زیادہ قوی حجت سمجھی جائے گی ایسی خبر کو محدثین کی اصطلاح میں خبر عزیز

کہتے ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اوپر سے نیچے تک کسی روایت

کو کم از کم تین تین ثقہ آدمی روایت کرتے آرہے ہوں

خبر مشہور

گو بیچ میں اس سے زیادہ بھی ہو جائیں مگر یہ روایت تین ہی تین آدمی کی شمار

ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ روایت دوسری روایت سے کہیں زیادہ قوی اور معاملات

میں قوی ترین حجت شمار ہوگی جس کا انکار عادت و عرف میں صریح مکابرہ اور

جھوٹ سمجھا جائے گا۔ اس خبر سے نہ صرف غلبہ ظن بلکہ فی الجملہ یقین پیدا ہو جائے

گا۔ گونہ بطلہ قضایں وہ یقین نہ کہلائے۔ لیکن دیانتاً اُسے یقین کہتے

ہیں کوئی جھجک محسوس نہیں کی جائے گی۔ ایسی خبر کو محدثین کی اصطلاح

میں خبر مشہود کہتے ہیں

جو تھی ضرورت یہ ہے کہ اوپر سے نیچے تک کسی روایت کو
خبر متواتر تین اور چار کی قید سے بالاتر ہو کر اتنے ثقہ اور عادل افراد

روایت کرتے آرہے ہوں جن کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عادتاً محال ہو اور کسی دور
 میں بھی چار سے کم نہوں خواہ زائد ہو جائیں اور زائد کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تو
 یہ روایت تیسری نوع روایت سے بدرجہا مضبوط اور قوت و اعتبار میں
 انتہائی حد پر پہنچی ہوئی ہوگی اور اس سے نہ صرف دیانتاً ہی یقین حاصل ہو جائے
 گا بلکہ وہ یقین پیدا ہوگا جسے عرف عام اور ضابطہ و قانون میں بھی یقین ہی کہہ سکا
 جائے گا اور کسی حالت میں بھی اس کا رد و انکار جائز نہ ہوگا بلکہ وہ حجت قطعیہ سمجھی جائے
 گی اس خبر کا نام اصطلاح محدثین میں خبر متواتر ہے

اب اگر تو اترا افراد سے گذر کر طبقات
تواتر کے اقسام و درجات اور بڑی بڑی جماعتوں تک پہنچ

جائے اور کسی روایت کو ہر دور میں ایک جم غفیر اور جماعتیں کی جماعتیں روایت
 کرتی آرہی ہوں تو ظاہر ہے کہ تواتر کی قوت میں اور زیادہ استحکام پیدا ہو جائے
 گا۔ تاہم جنس تواتر ایک ہی رہے گی۔ اس جنس کی ان دو قسموں کے اصطلاحی
 نام حضرت الاستاد الاکبر علامہ انور شاہ قدس سرہ نے تجویز فرمائے تھے
 تواتر کی ابتدائی قسم کا نام تواتر شدی اور دوسری قسم کا نام تواتر تسری

وضع فرمایا تھا پس قرآن کریم کی روایت تو اتر قرتی ہے۔ بہر حال۔ متواتر روایت میں کسی ادنیٰ شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی ایسی خبر کا منکر زبان خلق پر مطعون یا مجنون کہلائے گا کیونکہ یہ متواتر روایت گویا زبان حق ہوگی جو زبان خلق سے کام کرے گی اس لئے اس خبر کو گویا خدا کی خبر اور خدائی نقل در روایت کہا جائیگا۔ جسے جھٹلانے کی کوئی اصولی صورت ممکن نہ ہوگی کیونکہ اس خبر کا محافظ خود خدا ہو گا نہ کہ مخلوق۔

بہر حال روایت کے سلسلہ میں ایک سے لیکر چار تک جہر عقلی کے ساتھ یہ چار ہی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں راویوں کے لحاظ سے ہر زائد عدد والی روایت کم عدد والی روایت سے مضبوط اور محکم ہوگی اور اسی حد تک اس کی حجت اور اعتبار کا درجہ بڑھتا جائے گا بالفاظ دیگر روایت جس قدر بھی فرد سے گذر کر جماعت کی حد میں آتی جائے گی اسی قدر حق سے یقین اور یقین سے کمال یقین کی طرف بڑھتی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ شریعت نے ایک عدد سے گذر کر دو کے عدد کو جماعت تسلیم کیا ہے۔ فرمایا گیا۔

الاثنان وما فوقهما جماعة دو اور دو سے زیادہ جماعت ہے

چنانچہ نماز میں اگر دو بھی جمع ہو جائیں تو شرعاً وہ نماز جماعت کہلائیگی اور تین ہو جائیں تو جماعت معہ ہو جائیگی۔ گویا تین افراد کا مجموعہ شرعاً معتد بہ ہو پس جماعت کی حد ایک کے بعد ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ پھر اگر عدد تین سے بھی بڑھ جائے

مثلاً چار یا اس سے زائد افراد اکٹھے ہو جائیں تو وہ جماعت کبیرہ کے حکم میں آجائے گی جس سے جمعہ بھی ادا کیا جاسکے گا جس کا موضوع ہی شرعی جامعیت اور اجتماعیت ہے جیسا کہ لفظ جمعہ اور اس کے مادہ (جمع) سے ظاہر ہے۔ پھر یہ جماعت کبیرہ اگر ثقہ اور عادل لوگوں پر مشتمل ہو جن کا ایک ایک فرد ثقت و عدالت کا مجسمہ ہو گویا ایک ایک اُمتی اور جماعت کے حکم میں ہو لیجائے اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ كَانَ اُمَّتًا تَوَیَّهَ جَمَاعَتًا اِیْکَ جَمَاعَتٍ عَظِیْمَہ کے حکم میں ہوگی جس کی کہی ہوئی بات قطعیت کے انتہائی مقام اور یقین کے اعلیٰ ترین درجہ پر سمجھی جائے گی جس سے زیادہ یقین آور کوئی صورت نہیں ہو سکتی نہ صرف اصطلاحاً بلکہ اصولاً اور فطرتاً اس سے قلوب اطمینان کی ٹھنڈک محسوس کرینگے۔ پس جماعت کی حد ایک کے بعد ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور چار پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔ آگے اگر درجہ ہے تو کمال جماعت کا ہے نہ کہ اصل جماعت کا اسلئے تعدد روایت کے سلسلہ میں اعتماد یقین اور اطمینان اور اعتبار کا قصہ بھی کم از کم چار کے عدد پر پہنچ کر پورا ہو جاتا ہے۔ آگے یقین و اطمینان میں اضافہ کے درجات آتے رہیں گے۔ لیکن نفس یقین کا سرچشمہ چار ہی کا عدد رہے گا بشرطیکہ راوی ثقہ اور عادل ہوں اس لئے راویوں کے عدد کے لحاظ سے روایت کی چار قسمیں عقلی کیساتھ نکلتی ہیں جو خبر غریب۔ خبر عزیز۔ خبر مشہور اور خبر متواتر کے نام سے محدثین کے

یہاں معرّف ہیں۔

خبر متواتر اور اس کی حجیت کا
ثبوت خود عین قرآن ہے

تدبر کیا جائے تو قرآن حکیم
نے جنس حدیث کے اثبات
کے ساتھ روایت کی ان
چاڑیوں کی بنیادیں بھی

خود ہی قائم کر دی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے خبر متواتر اور اس کی حجیت
کا ثبوت تو خود قرآن کریم کی ذات ہی ہے جس کی روایت کا
طریقہ ہی تو اثر ہے جس سے وہ زمانہ نبوی سے ہم تک منقول ہوتا
ہوا آ رہا ہے گویا قرآن کی روایت ہی تو اثر کا وجود ہے اگر تو اثر
سے انکار کر دیا جائے تو قرآن کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ اور
ظاہر ہے کہ جو قرآن اور اس کی حجیت کو تو اثر کی بنا پر تسلیم کرے گا
اسے خبر متواتر اور اس کی حجیت کو بھی قطعی طور پر تسلیم کرنا
پڑے گا۔ ورنہ قرآن کی حجیت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کیونکہ جو
تواتر قرآن کی حجت ماننے کا موجب ہوا ہے وہی تواتر حدیث متواتر
میں بھی موجود ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسے حجت سے مانا جائے
اور کوئی وجہ نہیں کہ علت تو دونوں جگہ مشترک ہو اور حکم الگ الگ
ہو جائے۔ یہ صحیح کہ قرآن کا تواتر بہت اونچا اور ایک خاص تواتر یعنی

تواتر قرن ہے جن کا مقابلہ عام تواتر نہیں کر سکتا۔ لیکن اس فرق کا
 ثمرہ زیادہ سے زیادہ فرق مراتب نکلے گا۔ نہ کہ نفس تواتر کا انکار
 کیونکہ اس کا حاصل یہ ہو گا کہ قرآن کریم کے تواتر سے اگر کمال یقین
 حاصل ہو جس کا درجہ ادنچا ہے تو نفس تواتر سے نفس یقین حاصل ہو۔ نہ
 یہ کہ نفس تواتر غیر معتبر ہو جائے، پس کمال تواتر کا ثمرہ قوت یقین ہے
 نہ کہ اصل تواتر اور اس کا ثمرہ (نفس یقین) کا انکار جو لوگ مسترآن
 کے اعلیٰ ترین تواتر کو سامنے رکھ کر حدیث متواتر کی حجت سے انکاری
 ہیں۔ وہ درحقیقت قرآن متواتر کی حجت کے بھی قائل نہیں اور یا پھر
 حدیث متواتر کے انکار تواتر جھوٹے ہیں کیونکہ کمال تواتر میں بہر حال نفس
 تواتر بھی تو موجود ہے اور کمال یقین میں بلاشبہ اصل یقین بھی مضمر
 ہے۔ پس کمال تواتر کی حقیقت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ نفس تواتر
 میں اضافہ ہو جائے ایسے ہی کمال یقین کی حقیقت اس سے زیادہ اور
 کیا ہے کہ اصل یقین میں زیادتی ہو جائے اور کوئی شخص بھی اضافہ
 تک بغیر اصل سے گزرے ہوئے نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے زیادہ کا قائل
 درحقیقت اصل کا بھی قائل ہے۔ جو اس زیادہ میں
 مضمر ہے۔

اندرین صورت اضافہ کو سامنے رکھ کر اصل کا انکار کر دینا

درحقیقت اضافہ سے بھی انکار ہے ورنہ بغیر اصل کے یہ اضافہ آخر آیا کہاں سے؟ اور یہ منکر اس تک پہنچا کیسے؟ پھر بھی اگر وہ اضافہ کا نام لیکر اصل کا انکار ہی کرتا رہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی نیچے کی منزل منہدم کر کے اوپر کی منزل پر رہنے کا دعویٰ کرے سو جیسے یہ شخص عقلا کے نزدیک جھوٹا اور دروغ گو شمار ہوگا ایسے ہی وہ شخص بھی جھوٹا شمار ہوگا۔ جو قرآن متواتر کی حجت کو تواتر کی بنا پر مانکر حدیث متواتر کی حجت کا انکار کرنے لگے کیونکہ خبر متواتر ہی کا تو یہ تواتر ہے جس پر اضافہ ہو کر فترآن کا کمال تواتر رونما ہوا ہے۔ بہر حال خبر متواتر اور اس کی حجت کا ثبوت خود عین فترآن اور اس کی روایت ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے
تو قرآن کریم کی
روایت سے صرف
خبر متواتر ہی کا

قرآن کے طریق روایت سے مطلق روایت و خبر کا ثبوت

ثبوت نہیں ہوتا بلکہ نفسِ روایت و خبر کے معتبر ہونے کا ثبوت بھی باسانی مکمل آتا ہے کیونکہ فترآن کی روایت ظاہر ہے کہ روایت متواترہ ہے۔ اور روایت متواترہ ایک قسم ہے

نفسِ زوایت کی۔ گویا نفسِ روایت و خبر مقسم کا درجہ ہے۔ اور خبر متواتر اس کی ایک قسم ہے اور ظاہر ہے کہ قسم کو مانکر مقسم کا انکار یا قسم کو معتبر مانکر مقسم غیر معتبر ہونے کا افسرار ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی مقید مانکر مطلق کا انکار کر دے یا خاص مانکر عام کا انکار کر دے۔ حالانکہ مقید بن ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ مطلق نہ ہو۔ اور خاص بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ عام نہ ہو۔ اس لئے قرآن کی روایت خاص یعنی متواتر کا افسرار کر کے آدمی مطلق روایت کے افسرار سے کبھی بچ ہی نہیں سکتا۔ جبکہ یہ مطلق روایت اس مقید میں موجود ہے اور خبر متواتر کے معتبر ہونے کو مانکر نفسِ خبر و روایت کے معتبر نہ ہونے سے کبھی گریز کر ہی نہیں سکتا۔ جب کہ متواتر کے اعتبار میں نفسِ روایت کا اعتبار بھی آیا ہوا ہے۔ اس لئے قرآن کے طریقِ روایت سے محض خبر متواتر ہی کا ثبوت نہیں ہوتا جو قسم کا مرتبہ ہے بلکہ مطلق خبر کے معتبر ہونے کا بھی ثبوت ہو جاتا ہے۔ جو مقسم کا مرتبہ ہے۔ جس کے معنی یہ نکلے کہ اصولاً نفسِ روایت اپنی اقسام کے ذیل میں حسب مراتب خود بلاشبہ معتبر اور واجب التسلیم ہے خواہ وہ قرآن کی روایت ہو یا غیر قرآن کی۔ اس لئے حدیث کی روایت کا معتبر ماننا قرآن کی

روایت کو معتبر ماننے کے بعد ضروری ہو جاتا ہے کہ البتہ دونوں
کی روایت کے درجات و مراتب کی قدر ان کے احکام کے
مراتب و درجات کے فرق سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اصل کے
انکار کی کوئی صورت نہ ہوگی

اس لئے منکروں کے لئے
دو ہی صورتیں ہیں یا وہ ہرے
سے نقل و روایت کا انکار
کریں اور کھٹل کر حدیث کے

منکرین حدیث کیلئے
دو راستے

ساتھ قرآن کے بھی منکر ہو جائیں لیکن اگر وہ قرآن کی روایت
کو مانیں تو اس کے ضمن میں نفس روایت کو مان کر روایت
حدیث کا ماننا بھی ان کے سرعہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ
قرآن کو مان کر حدیث کا انکار کر دیں ورنہ وہ نفس رقا
کے ہی منکر کہلائیں گے۔

مزید غور کیا
جائے تو روایت
متواترہ کا ثبوت
قرآن کی

مطلقاً ثبوت قرآن سے

خیر متواترہ کا ثبوت

روایت ہی کو سامنے رکھنے پر موقوف نہیں بلکہ مطلقاً
 قرآن کے ثبوت سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے
 کہ قرآن کی روایت ہی سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے کیونکہ
 قرآن کو حجت مان کر سوال یہ ہوتا ہے کہ اس قرآن کا
 قرآن ہونا آخر ہمیں کیسے معلوم ہوا؟ اگر خود قرآن ہی
 ہے معلوم ہوا تو درحالیہ ابھی تک خود قرآن کا قرآن
 ہونا ہی ثابت شدہ نہ ہو قرآن سے کسی چیز کا ثبوت کیسے
 ہو سکتا ہے؟ جسے تقدیم شی علی نفسہ کہتے ہیں۔ لامحالہ
 غیر قرآن ہی ہے قرآن کا قرآن ہونا معلوم ہو سکتا ہے
 اور ظاہر ہے کہ وہ غیر قرآن بجز پیغمبر کی خبر کے اور کیا ہو
 سکتا ہے؟ جو منقول ہو کر بلا کم و کاست ہم تک پہنچے اور
 اسی کا نام حدیث ہے۔ اس لئے قرآن کا قرآن ہونا خود حدیث
 پر موقوف نکلا۔

اندرین صورت یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن تو
 واجب التسلیم ہوا اور حدیث نہ ہو۔ وہ نہ خود قرآن کا ثبوت
 اور وجود بھی ممکن نہ رہے گا۔

قطعیت قرآن سے خبر متواتر کی قطعیت کا ثبوت

ساتھ ہی یہ کہ جس خبر سے ہم کو
قرآن جیسی قطعی یقینی اور اہم
ترین کتاب کا علم ہو وہ خبر بھی
قطعیت میں قرآن سے کم نہ ہو

چاہیے۔ ورنہ اگر وہی نطی ہو تو قرآن کا ثبوت قطعی نہ رہے گا بلکہ نطی ہو جائے
گا جس کے انکار سے نہ کفر عائد ہو گا نہ اس پر ایمان لانا ہی فرض قطعی رہے گا
جس سے ایمان کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اس لئے اس خبر کا قطعی
اور انتہائی طور پر موجب یقین ہونا ضروری ہے اور ایسی خبر بجز متواتر
کے دوسری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے ثبوت سے پہلے مگر قرآن کی
نسبت کیساتھ نہ صرف جنس حدیث ہی کا ثبوت ہاتھ لگا جو جنس اور مقسم
کا مرتبہ ہے بلکہ اس کی ایک قسم خاص خبر متواتر کا ثبوت بھی نکل آیا اس
لئے قرآن کو قرآن کہنے والا تو کم سے کم نفس حدیث اور اس کی ایک قسم
متواتر کا کبھی انکار کر نہیں سکتا ورنہ وہ تسلیم قرآن کے دعوے میں بھی
جھوٹا اور منافق شمار کیا جا دے گا۔ ہاں قرآن ہی کا کوئی کھلے بندوں
انکار کرنے لگے تو ہمیں اس تحریر میں اس سے تعرض کرنا نہیں۔ کیونکہ منکر
قرآن کا جواب دوسرا ہے جس سے یہاں بحث نہیں۔ بہر حال قرآن کو کسی
بھی جہت سے مانا جاوے کم از کم حدیث کا متواتر ماننا ضروری

ہو جائیگا جس کے لئے قرآن کی روایت بھی ایک مستقل ثبوت ہے اور خود قرآن
قرآن کے اقرار کے نسبت بھی ایک مستقل ثبوت ہے جس کے ضمن میں نفس
حدیث کا ثبوت بھی خود بخود آ جاتا ہے۔ اسلئے خبر متواتر کا ثبوت تو قرآن
حکیم سے مجمل للشدل گیا

اب حدیث کی بقیہ تین
قسموں مشہور، عزیز اور
غریب پر قرآن کی روشنی
میں غور کیجئے۔ سو خبر مشہور

خبر مشہور و خبر عزیز
اور خبر غریب قرآن کی روشنی میں

جو کم سے کم تین ثقہ راویوں کی روایت سے منقول ہو اس کا اور اس کی حجت
کا ثبوت بھی قرآن سے ملتا ہے۔ قرآن حکیم نے اصحاب القریہ کے
بارے میں فرمایا جو سورہ یسین شریف میں ہے۔

و اضرب لهم مثلا اصحاب القریۃ
الذی جاءها المرسلون اذ امرنا
الیهم اثنتین فکذبوہا فنفخنا فیہا
ثم قالوا انا الیثم المرسلون
یا ذکر و گاؤں والوں کی مثال جبکہ ان
کے پاس رسول آئے جب ہم نے ان کی طرف
دو رسول بھیجے تو انہوں نے انہیں جھٹلادیا
تو ہم نے تیسرے سے قوت دی اور ان
تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف رسول بنا کر
بھیجے گئے ہیں

اس سے واضح ہے کہ دو کی تکذیب کر دینے پر تیسرے کا اضافہ
 اصولاً اس وجہ سے تھا کہ عاداتاً تین ثقہ اور عادل افراد کو جھٹلانا فطرت
 انسانی کے خلاف ہے اور اس سے گاؤں والوں پر خدا کی حجت تمام ہو
 جائے گی۔ کیونکہ تین آدمی کا مجموعہ جماعت کہلاتا ہے اور عاداتاً نہ تو
 تین افراد کی جماعت اور وہ بھی نیک اور پیار سا لوگوں کی ملکر جھوٹ بول
 سکتی ہے اور نہ ہی اسے جھٹلایا ہی جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں نقل و روایت
 کے سلسلے میں تین کا عدد پیش نظر ہے۔ رسالت کا وصف پیش نظر نہیں
 کیونکہ رسول تو ایک بھی ثقاہت و عدالت اور صدق و امانت میں ساری
 دنیا سے بڑھ کر ہوتا ہے اگر گاؤں والوں کو رسالت کی عظمت پیش نظر
 ہوتی تو وہ ایک رسول کی بھی تکذیب کی جرأت نہ کرتے اور کرتے تو وہ خود
 ہی غیر معتبر ٹھہرتے رسولوں کے عدد میں ملحوظ و صف رسالت اضافہ
 کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن ان پر قانونی حجت تمام کرنی تھی تو آخر کار تین
 کا عدد مکمل کر کے رسالت ان تک پہنچوائی گئی کہ دنیا کے عام اصول پر تین
 سچے انسانوں کی خبر کسی طرح بھی قابل رد شمار نہیں کی جاتی۔

اس سے یہ اصول واضح ہو جاتا ہے کہ اگر تین تین کی روایت سے
 کوئی خبر روایت ہوتی ہوئی ہم تک پہنچے تو قرآن کی رو سے ملحوظ روایت
 وہ ہرگز رد نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس سے نہ صرف غلبہ ظن بلکہ دیانتاً

یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی اور جبکہ یہی نوعیت خبر مشہور کی ہے تو قرآن کریم سے خبر مشہور اور اس کی حجیت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ اندرین صورت خبر مشہور کے ثبوت اور اس کی حجیت کا منکر درحقیقت قرآن کے اس اصول اور آیت بالا کا منکر ہے جس کو منکر قرآن کہا جائے گا۔

اسی طرح خبر عزیز جس کی روایت دو ثقہ راوی کریں قرآن حکیم سے ثابت اور معاملات میں از روئے قرآن حجت ہوا ارشاد قرآنی ہے
 و اشہد و اذی عدل منکم اور گواہ بناؤ دعدل و اہل کو اپنے میں

واقيموا الشہادۃ للہ سے اور بوجہ اللہ شہادت قائم کر دو۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ دو کی شہادت محض معتبر ہی نہیں بلکہ حجت بھی جعفرین اور دنیا کے ہزار ہا جانی مالی۔ اخلاقی اور مابینی معاملات کا فیصلہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ قضائے قاضی ظاہر و باطناً نافذ ہو جاتی ہے۔ یہ شہادت ظاہر ہے کہ روایت ہے اس روایت کا نام شہادت تعارف کے طور پر محض اس لئے رکھ دیا گیا ہے کہ وہ سرکاری طور پر کسی مقدمے یا خصوصیت میں قاضی یا مجسٹریٹ یا ثالث و سرپرست کے سامنے دی جاتی ہے جس سے اس میں سرکاری اہمیت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ وہی روایت ہے جو عدالت کے کمرے سے باہر روایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اس نام یا نسبت

کے فرق سے ایک سرکاری تجربہ اور ایک نجی۔ یا ایک اطلاع قضاء ہے اور ایک دیانتاً خبر کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر یہی شاہد عدالت کے کمرے سے باہر منظر پر بھی روایت پہلک کے سامنے بیان کرے تو تبدیلی نام و نسبت کے سوا اور فرق ہی کیا ہوگا بس اب اُسے شہادت کے بجائے روایت کہنے لگیں گے۔ لیکن خبر اور تجربہ کی حقیقت وہی ہے گی جو عدالت کے کمرے میں تھی اس لئے شہادت کی تمام شرائط و حقیقت روایت کی شرائط ہیں۔ پس جیسے شہادت بلا واسطہ ہو تو اس کا عینی ہونا ضروری ہے کہ شاہد اپنا مشاہدہ یا سماع بیان کرے ایسے ہی روایت میں بھی راوی اَدَل کے لئے بھی یہی شرط ہے کہ روایت کردہ واقعہ اس کا چشم دید یا براہِ راست خود شہید ہو۔ پھر جیسے روایت بالواسطہ بھی ہوتی ہے ایسے ہی شہادت بھی بالواسطہ ہو سکتی ہے جسے شہادت علی الشہادت کہتے ہیں اور جیسے ان وسائل کی شہادت کیلئے ضروری ہے کہ جس پر شہادت کی انتہا ہو وہ اپنا چشم دید یا خود شہید واقعہ بیان کرے۔ ایسے ہی روایت کی سند کے لئے بھی ضروری ہے کہ اُس کی انتہا جس پر ہونی چاہیئے۔ کہ راوی اَدَل اپنا مشاہدہ یا سماع نقل کرے پھر ثقہ اور اعمدہ کی جو شرائط شاہد کیلئے ہیں وہی راوی کے لئے بھی ہیں جن کی تفصیلاً فن میں مذکور ہیں۔ غرض شہادت و روایت ایک ہی چیز ہے۔ اس لئے

اگر شہادت شرعاً حجت ہے تو بلاشبہ روایت بھی حجت ہے۔ فرق ہے
توقضاء اور دیانت کا ہے نہ کہ اصل خبر کا۔

پس قرآن کریم نے آیت بالائیں دو آدمی کی شہادت کو معتبر
اور حجت مان کر درحقیقت دو کی روایت کے معتبر اور حجت ہونے
کا اعلان کیا ہے۔ پس اگر یہ دو کی روایت عدالت جیسی اہم جگہ میں
قانوناً معتبر ہے جس میں سیاسی اہمیت بھی موجود ہے تو انہی دو کی روایت
عدالت سے باہر دیانات کے حلقوں میں جہاں وہ سیاسی اہمیت بھی
نہیں ہے دیا نہ گیا کیوں معتبر اور حجت نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی۔ بلکہ اسے بدرجہ
اولیٰ معتبر اور حجت ہونا چاہیئے۔ اس لئے دو دو کی روایت کے
معتبر اور واجب التسلیم ہونے کا ماخذ بھی قرآن حکیم ثابت ہوا جس
کا نام خبر عزیز تھا اور واضح ہوا کہ خبر عزیز اور اس کی حجت کا منکر و ردِ حقیقت
آیت بالا کا منکر ہے جسے منکر قرآن کہا جائے گا۔ رہی خبر غریب
جسے خبر فرسودہ بھی کہا جاتا ہے اور جسے ایک ایک آدمی روایت
کرے سو قرآن حکیم کی ایک نہیں بیسیوں آیتیں اس کے ثبوت میں
پیش کی جاسکتی ہیں جن سے اس کی حجت پر روشنی پڑتی ہے۔

ایک ہی فرد پر سارے ادیان کا دار و مدار ہے | اول تو سارے
انبیاء کے

ممکن ہے کہ اس ثبوت میں یہ خدشہ کیا جائے کہ گفتگو ہے
 انسانوں کی خبر فرد میں اور نظیر لائی جا رہی ہے فرشتوں کی خبر فرد سے
 حالانکہ کسی جنس کے لئے نظیر ہم جنس ہی کی معتبر ہوتی ہے اور یہاں انسان
 اور فرشتہ میں کوئی جنسی اشتراک نہیں تو پھر ایک نوع کی نظیر دوسری
 نوع پر کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ گو یہ شبہ قابل التفات نہیں جبکہ
 خبر کی نوعیت دونوں جگہ ایک ہے خواہ وہ فرد انسان ہو یا فرشتہ
 یہاں فرق اگر ہے تو راویوں کی جنس کا ہے نہ کہ روایت کی جنس کا روایت
 اور اوصاف روایت کی نوعیت دونوں جگہ یکساں ہے۔ اس لئے
 کے تفاوت جنس سے روایت کے ثبوت میں کیا خلل آسکتا
 ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک راوی چین کا ہو اور ایک عرب کا
 ایک مشرق کا ہو ایک مغرب کا مگر جبکہ وہ اصول وایت کو مطابق روایت
 کریں تو ان کے دھنوں اور رنگوں کے فرق کو روایت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے
 ایسے ہی کسی خبر فرد کے راوی آسمان کے باشندے ہوں یا زمین کے
 بسنے والے۔ مگر روایت کے تمام اصول قوانین کی رعایت سے روایت
 کریں تو اسے زمین کے باشندوں کے لئے بطور نظیر پیش کئے جانے
 میں آخر اشکال کیا ہو سکتا ہے؟ پھر اچھے اوصاف کا سرچشمہ بہر حال
 ملائم ہی ہیں اور انسانوں کو ان کی ملکیت سے استفادہ کا مکلف ٹھہرایا

گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں فرشتہ سے اس کی ذات کا استفادہ منظور نہیں کہ آدمی فرشتہ ہو جائے بلکہ فرشتہ کے اوصاف سے یہ استفادہ مطلوب ہے جو باوجود اختلاف جنس کے مطلوب ہے اور نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے چنانچہ مثالوں میں کہا جاتا ہے کہ فلاں انسان پر ملکیت کا غلبہ ہے گویا بشر کیلئے ملائکہ کی اخلاقی نظیرین حجت ہو سکتی ہیں اور انصاف میں یہ اشتراک جنسوں کے اختلاف کے باوجود بھی ہو سکتا ہے تو زیوا کے بارے میں ملائکہ کے اوصاف روایت انسانوں کے حق میں کیوں ناقابل اعتبار اور ناقابل قیاس ہو جائیں گے؟ اس لئے یہ مذکورہ مشبہ اصولاً مہمل ہے۔

ہر اُمت کے پاس اُس کا
ایک ہی صّادی آیتا

تاہم اس بحث سے
الگ ہو کر جب کہ مقصود
مخاطبوں کو اطمینان
دہانی ہے تو ہم روایت

فرد کے بارے میں ملکی نظیر سے ہٹ کر بشری نظیر بھی قرآن کریم ہی سے پیش کئے دیتے ہیں ہم نے سابق میں خبر مشہور کے بارے میں تین پیغمبروں کی جماعتی خبر سے استدلال کرتے ہوئے خبر مشہور کا قرآن کریم سے ثبوت پیش کیا تھا اس لئے خبر فرد کے

بارہ میں تنہا ایک پیغمبر کی خبر یقیناً خبر فرد کے ثبوت کے لئے کافی
 ہو جانی چاہئے سو کون نہیں جانتا کہ امت کو پیغمبر سے جو خبر بھی ملتی ہے وہ
 ایک ہی کی ہوتی ہے یہ تو صرف اصحاب القریہ ہی کی خصوصیت تھی
 کہ اُن کے پاس اکٹھے تین پیغمبر بھیج دیئے گئے جنہوں نے جماعتی طور
 پر پیغام الہی پہنچایا ورنہ ہر امت کے پاس امت کا ایک ہی ہادی
 و نذیر آیا اور اس ایک ہی نے خدائے برتر کی طرف سے خبریں
 دیں۔ حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ
 حضرت ہود۔ حضرت صالح وغیرہم علیہم الصلوٰۃ السلام تنہا تنہا ہی اپنی
 امتوں کی طرف مبعوث ہوئے اور ایک ہی ایک نے خدائی دین کی نقل
 و روایت خدا کی طرف سے امت کے سامنے پیش کی یہ خبر فرد نہیں
 تھی تو اور کیا تھی؟ اس لئے قرآن نے جتنے بھی پیغمبروں کی دعوت کا ذکر
 کیا ہے وہ درحقیقت خبر فرد ہی کا ذکر ہے جہاں جہاں بھی اذقال ہم
 نوح اذقال ہم ہود اذقال ہم لوط وغیرہ کے کلمات وارد ہوئے
 اور وہ حجت تھے تو یقیناً یہ خبر فرد ہی کی حجیت اور اس کے واجب التسلیم
 ہونے کا زبردست ثبوت ہے جو قرآن کی بیسوں آیتوں میں پھیلا ہوا
 ہے پس خبر عزیز اور مشہور و متواتر کیلئے تو ایک ہی آدھ آیت بطور دلیل
 یا ثبوت دستیاب ہوگی لیکن خبر فرد کے لئے تو سینکڑوں آیتیں موجود ہیں

جس سے اس کا ثبوت سارے ثبوتوں سے زیادہ مضبوط اور اٹل
 ہو جاتا ہے اور جب کہ فرشتہ سے لیکر انبیاء تک خدائی خبریں ایک
 ہی ایک فرد سے آئیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ تمام آسمانی شریعتوں
 اور ادیان کا مدار ہی خبر فرد کی روایت پر رہا ہے۔ نہ کہ خبر مشہور
 و متواتر پر اس لئے باین خصوصیت خبر فرد اپنی تمام ہم نوع خبروں سے
 فائق ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ماننا اس لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے
 کہ وہ سارے دینوں کی مدار علیہ ہے اگر اس سے انکار کر دیا جائے
 تو ساری شریعتوں کا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ شائد
 اس لئے خبر فرد کے ثبوت کے لئے قرآن نے خود اپنی آیتوں تک کا
 تواتر پیش کر دیا ہے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے اور اس
 لئے خبر فرد کا ماننا دوسری ساری واجب التسلیم خبروں کے
 ماننے سے کہیں زیادہ ضروری اور قطعی ہے۔ بلکہ غور کیا جائے تو انبیاء
 کی ان افرادی روایتوں اور اخبار فرد سے صرف اصولاً ہی خبر فرد
 کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ کلام رسول کی حیثیت سے بھی خبر فرد کا ایک
 واقعی حقیقت اور حجت ہونا ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ انبیاء سابقین
 کی یہ خبریں جہاں خبر فرد تھیں وہاں حدیث رسول ہی نہیں۔ کیونکہ
 کسی نبی کو بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلامی معجزہ نہیں دیا

گیا جس کے الفاظ بھی منزل من اللہ ہوں صرف مضمون ہی منزل
 من اللہ ہو پس وہ مضامین الہی جو عامۃ قلوب انبیاء پر الہام کئے
 جاتے تھے جنہیں وہ اپنے الفاظ میں اُمت کو سنا دیتے تھے ان
 کی یہ روایتیں لمحاظ الفاظ درحقیقت حدیث رسول ہوتی تھیں اور ان کا
 وہی پلہ ہوتا تھا جو اسلامی شریعت میں حدیث رسول کا ہے اس
 لئے انبیاء علیہم السلام کی ان انفرادی خبروں سے نہ صرف خبر فرد ہی
 کا اصولی ثبوت قرآن سے مابلکہ عین حدیث رسول کے حجت ہونے کا
 ثبوت بھی سامنے آگیا جو ایک کی روایت سے اُمت تک پہنچی ہو پس نبی
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تمام خبریں جو قرآن کے علاوہ آپ نے
 بصورت حدیث صحابہ کو سنائیں بجز خبر فرد کے اور کیا تھیں؟
 بعد میں راویوں کے عدد کی قلت و کثرت کے سبب وہ مشہور و
 متواتر بنتی گئیں لیکن اپنی ابتداء میں تو یہ سب خبر فرد ہی تھیں
 اس لئے خبر فرد اپنے نوع بنوع ثبوت کیساتھ قرآن کی نصوص
 سے سامنے آ جاتی ہے۔

رسول کی روایت و صف رسالت الگ ہو کر
 اصول روایت کی رو سے بھی حجت ہے

لیکن
 خبر فرد
 کی اس

نوع میں جو پیغمبر کی واحد اطلاع سے سامنے آئے ممکن ہے کہ کسی کو وہی شبہ ہو جو جبریل علیہ السلام کی خبر میں ہوا تھا اور یہ کہہ دیا جائے کہ رسول کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہے اُن کے وصف رسالت کی عظمت کا ایک قدرتی دباؤ قلوب پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ رسول ملکی ہو یا رسول بشری اس لئے اُن کی خبر کا ماننا درحقیقت رسالت کے دباؤ کا اثر ہے اصول فن کا تقاضہ نہیں اور نہ فنی حیثیت سے وہ قرآن سے ثابت ہوتی ہے گویا رسول ملکی کی طرح رسول بشری کی خبر فرد بھی کوئی فنی یا اصولی خبر فرد نہیں کہ ان نظیروں سے اسے قرآن سے ثابت شدہ مانا جائے مگر میں عرض کروں گا کہ یہ شبہ بھی انکار حدیث کی طرح قرآن حکیم سے ناواقفیت اور اس میں غور نہ کرنے کے سبب پیش آیا ہے۔ قرآن نے کہیں بھی کسی پیغمبر کی خبر فرد کو محض پیغمبری یا رسالت کے دباؤ سے منوانے کی کوشش نہیں کی بلکہ صرف اصول روایت اور فنی قواعد کے لحاظ سے ہی اس کے ماننے اور واجب التسلیم سمجھنے پر زور دیا ہے چنانچہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر فرد کی قرآن نے توثیق کی ہے وہ وصف رسالت کی وجہ سے نہیں بلکہ اصول روایت کی رو سے کی ہے ارشاد ہے۔

والنجم اداہری ماضل صاحبکہ قسم ہے (مطلق) ستارہ کی خوب و خیر ہوئے گئے یہ تمہارا
وما عری وما یمنطق عن الہوی ان (اہم وقت) ساتھ کے رہنے والے نہ ہو (حق) سے بھٹکے
اور نہ غلط راستہ ہولتے اور نہ ہی اپنی خواہش نفسانی
ہو الاوحی یوحی
سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد وحی دہی ہے جو
ان پر بھیجی جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ خبر فرد جو تن تنہا حضور سے اُمت کو پہنچی اور قرآن
نے اُسے واجب الاعتبار ٹھہرایا تو یہ کہہ کر نہیں کہ آپ نبی اور رسول ہیں۔
بلکہ یہ کہہ کر اس روایت کے راوی میں کوئی ہمت یا مطاعن روایت
میں سے کوئی طعن موجود نہیں جو روایت کو متحد و شش بنانا ہو چنانچہ
سب سے پہلے حضور سے مطاعن روایت کی نفی کی اور رسول کہہ کر نہیں
بلکہ صابحکم کہہ کر جس سے واضح ہے کہ خبر فرد کے منوانے میں رسالت
کا دباؤ دلوں پر ڈالنا مقصود نہیں پس اولاً ان مطاعن میں سے سب سے
پہلے ضلالت کی نفی کی کیونکہ بے راہ رہا اور ناواقف کی بات ہرگز قابل
اعتبار نہیں ہوتی پھر غوایت کی نفی کی کیونکہ کج راہ جو کہ اوندھی
سمجھ رکھتا ہو اوندھی ہی سمجھے اور اوندھی ہی بات کہے اس کی رتھا
ہرگز لائق التفات نہیں ہوتی۔ پھر ہوائے نفسانی کی نفی کی کیونکہ
ہوا پرست خود غرض ہوتا ہے اور خود غرض کی بات مستہتم
ہوتی ہے موجب سکون اور لائق اعتبار نہیں ہوتی

یہ سب وہی مطاعن روایت ہیں جن سے روایت مجروح اور
مخدوش ہو جاتی ہے۔ آخر میں ان منفی اوصاف کی نفی کی علت پر
مطلع فرمایا کہ وہ راوی کا صاحبِ وحی ہونا ہے جو پیغمبر کے سوا
دوسرا نہیں ہوتا اور نبوت و رسالت ایک ایسا اعلیٰ مقام ہے کہ اس
کے ساتھ ضلالت و غوایت اور ہوا و نفس کبھی جمع نہیں ہو سکتی پس
نبوت کے وصف کو اول تو صراحتاً ذکر ہی نہیں کیا گیا اور وحی کے
لفظ سے کنایتاً اگر ذکر بھی فرمایا تو منصب کی حیثیت سے نہیں بلکہ
مطاعن روایت کے دفعیہ کے سلسلے میں بطور علت دفع ذکر فرمایا کہ
جس ذات میں وحی و نبوت موجود ہیں وہاں ضلالت و غوایت اور ہوائے
نفس کا کیا کام جس سے خبر غیر معتبر ہو جائے اس سے صاف واضح
ہے کہ خبر فرد کے اعتبار و حجیت کو وصف رسالت کے دباؤ سے نہیں
منوایا جا رہا ہے بلکہ رسول کی روایت کو معیار روایت پر پورا پورا اتارنے
اور اصول روایت کی رو سے مطاعن روایت سے پاک ہونے کی
وجہ سے واجب الاعتبار قرار دیا جا رہا ہے تاکہ خوب واضح ہو جا
کہ رسول کی روایت وصف رسالت سے الگ ہو کر اصول روایت
کی رو سے بھی واجب الاعتبار و حجیت و سند ہے اور ظاہر ہے کہ
رسول کی یہ خبر جس کے نطق کی اس آیت میں اطلاع دی گئی ہے

خبر فرد ہے تو خبر فرد کے وجود اور حجت کا واضح ثبوت اصول
روایت کی رو سے بھی تشریح سے مکمل آیا۔

خبر فرد کا ثبوت قرآن نے غیر
انبیاء کی نوع سے بھی دیا ہے

لیکن اس پر بھی اگر کوئی
یہی کہے جائے کہ رسول
کی بہر حال غیر معمولی شخصیت

ہے اس لئے عمومی اور

معمولی شخصیتوں کی خبر فرد کا ثبوت تو معمولی ہی قسم کی شخصیتوں کی
روایت سے ہو سکتا ہے نہ کہ پیغمبروں کی غیر معمولی شخصیتوں سے۔ تو میں
عرض کروں گا کہ قرآن نے اس کے بارے میں بھی ہمیں روشنی بخشی
ہے اور خبر فرد کا ثبوت غیر رسول اشخاص سے بھی نظم قرآنی میں موجود
ہے ارشاد ہے :-

وَجَاءَ سِرَاجٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ يُسَیِّئُ

قَالَ يٰمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ

لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنَّ لَكَ مِنَ النَّاسِ حِجْرًا

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ

قتل کریں سو آپ چل دیجئے میں آپ کی خبر فرمایا

کر رہا ہوں۔ پس موسیٰ وہاں سے نکل گئے

خوف اور وحشت کی حالت میں

ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینے والا پبلک کا ایک معمولی آدمی ہے
 موسیٰ علیہ السلام نے اس کی خبر مان لی جو بلاشبہ ایک فرد کی روایت
 تھی جماعت کی نہ تھی اور اس سے اثر بھی لیا قلب پر تو خوف کا اور
 ظاہر پر خروج کا۔ فخرج منها خائفًا اس خبر فرد کو موسیٰ علیہ السلام نے
 مانا اور اس سے اثر اس لئے لیا کہ راوی میں کوئی طعن مطاعین روایت
 میں سے محسوس نہیں کیا چنانچہ اس نے اپنی روایت کی توثیق خود یہ
 کہنزی کہ اِنِّیْ لَمِّنَ النَّاصِحِیْنَ (میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں)
 اس کا حاصل یہ ہوا کہ میں یہ خبر ہوائے نفس یا کسی کے بہکائے سکھائے
 سے غلط نہیں دے رہا ہوں بلکہ آپ کا خیر خواہ ہوں اور مخلصانہ طریق پر
 مطلع کر لے آیا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اوصاف راوی کے سلسلہ میں سب
 سے بڑا وصف بے لوثی ہے جس سے خبر کی پوزیشن صاف ہوتی ہے۔ پس
 شخص واحد روایت کرے جو پیغمبر نہیں اور پیغمبر اُس کی روایت کو قبول کرے
 اس سے اثر لے یعنی غیر نبی کی روایت کو مان لے تو کیا اس سے بھی
 بڑھ کر خبر فرد کے ثبوت اور اس کی حجیت کے معتبر ہونے کا کوئی اور
 ثبوت ہو سکتا ہے؟ کہ وہ غیر نبی کی خبر ہو اور نبی کی قبول کردہ ہو۔ حالانکہ
 نبی کی ثقہ وعدالت کے سامنے غیر نبی کی ثقہ وعدالت کوئی چیز
 ہی نہیں سمندر اور قطرہ کی بھی نسبت نہیں لیکن پھر بھی فرد واحد

کی روایت اس لئے مان لی گئی کہ روایت اصول روایت کے مطابق
 تھی راوی مستہم نہ تھا مجروح نہ تھا اور ہوائے نفسانی سے خبر نہیں دے
 رہا تھا بہر حال خبر فرد کا ثبوت قرآن نے ایک طرح سے نہیں بلکہ مختلف
 اندازوں سے پیش کیا ملائکہ کی نوع سے لیکر انبیاء تک اور انبیاء کی نوع
 سے لیکر غیر انبیاء کی نوع تک کی نظیریں اس بارہ میں پیش کیں جس
 سے اندازہ ہوتا ہے کہ خبر واحد کی اس قسم خاص (خبر فرد) کے اثبات میں
 قرآن کو بہت زیادہ اہتمام ہے گویا منکرین حدیث کے برعکس اور
 علی الرغم قرآن اُس خبر کے اثبات پر زیادہ زور دے رہا ہے جس سے
 منکرین زیادہ گریزاں ہیں یعنی خبر فرد جسے وہ قابل التفات بھی سمجھنا
 نہیں چاہتے اگر کسی حد تک کچھ مانتے ہیں تو خبر متواتر کو تو کچھ مان لیتے
 ہیں جس کے لئے قرآن نے اپنی کوئی خصوصی نص بھی پیش نہیں کی
 صرف اپنے کو پیش کر دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منکرین
 حدیث دراصل منکرین قرآن بلکہ دشمنان قرآن ہیں اور یہ بھی کہ
 قرآن ان کا دشمن اور ان سے گریزاں ہے۔ وہ اگر خبر فرد کو بالکل ہی لیا نبیا
 کر دینا چاہتے تھے تو قرآن نے اسی کو اپنی آیتوں کے عددی تواتر سے
 ثابت کیا اور وہ متواتر کو ماننا چاہتے تھے تو اس کے اثبات کا کچھ زیادہ
 اہتمام نہیں کیا بہر حال خبر فرد کے سلسلہ روایت میں کچھ خصوصی

اہمیت ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے کئی کئی اندازوں سے توجہ دلائی
فاسق کی خبر کو کلیتہً رد نہیں کیا گیا | حتیٰ کہ قرآن حکیم نے
 خبر فرد کے اثبات میں

اسی پر بس نہیں کر دی کہ ملائکہ انبیاء اور عوام کی خبروں کے ہی نظام پر
 پیش کر دیئے ہوں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یا یوں کہنا چاہیے کہ اور زیادہ
 تنزل کر کے فاسق کی خبر فرد کا بھی اعتبار کر لیا اور اسے بھی کلیتہً رد نہیں
 کیا بشرط البتہ تبیین و تحقیق کی لگاؤ کی کہ تحقیق اور چھان بین کے بعد
 اسے بھی قبول کر سکتے ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن
 جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا
 أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِمَجْهَالَةٍ فَتُحْضَرُوا
 عَلَيْهِمْ مَا فَعَلْتُمْ نَدِيٍّ مِّمَّنْ -
 اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق
 خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانستگی
 میں کسی قوم پر تم پر تم مصیبت ڈھاؤ اور پھر اپنے
 کئے پر پکٹاؤ۔

اس سے واضح ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے
 کے باوجود بھی معتبر اور حجت ہونے کی شان رکھتی ہے بشرطیکہ تحقیق میں
 آجائے اور حجت بھی ایسے اہم معاملات میں جن کے بگڑ جانے کی صورت
 میں ندامت اٹھانی پڑے جو کسی اہم اور بڑے ہی معاملہ کی
 شان ہوتی ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ شخص واحد کی خبر بھی شرعی

اصول پر قابل رو یا غیر معتبر نہیں بلکہ تبیین و تحقیق کے بعد معتبر اور بڑے
بڑے معاملات میں حجت ہو جاتی ہے جس پر دیا نیا معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا
ہے رو کا اگر گیلیا ہے تو قبل از تحقیق اس پر عمل کرنے سے نہ کہ مطلقاً۔
در نہ یوں کہا جاتا کہ فاسق اگر کوئی خبر لائے تو ہرگز اس کی بات کا اعتبار
مت کرو نہ یہ کہ تحقیق کے بعد اسے مان لو اور معتبر سمجھو۔ پس تحقیق کی شرط
اس لئے لگائی گئی کہ خبر دہندہ اور روایت کنندہ کے فسق و فجور سے
اس کی خبریں جو بے اعتباری کی گنجائش پیدا ہو گئی تھیں وہ ختم
ہو جائے اور خبر قابل اعتبار بن جائے مگر خبر بہر حال وہ ایک ہی کی
رہے گی اس لئے صاف ثابت ہوا کہ ایک کی روایت معتبر اور معاملات
میں حجت ہے۔ اب اگر خبر دینے والا فرد فاسق بھی نہ ہو بلکہ غیر مہتمم غیر
مجرد روح ہو جیسے رجل یسعی کی خبر تو وہ بلا تبیین بھی اس اصول سے
قابل قبول بن سکتی ہے اور اگر راوی غیر مجرد روح ہونے کے ساتھ ساتھ
عادل و متقی متدین اور امین بھی ہو جیسے ملائکہ و انبیاء اور صلحاء تو اس
اصول پر اسکی بلا واسطہ خبر کو معتبر ماننے کے لئے قطعاً تبیین و تحقیق
کی ضرورت نہیں رہنی چاہیے لیکن اگر وسائط کی وجہ سے اس پر
بھی تحقیق و تبیین کر لی جائے تو پھر تو یہ خبر بطریق اولیٰ واجب الاعتبار
بن جائے گی مگر بہر صورت رہے گی خبر فرد ہی اس لئے خبر فرد جسے

خبر غریب بھی کہتے ہیں قرآن کی رو سے معتبر اور حجت ثابت ہوگی
 گو اس کی حیثیت درجہ ظن ہی کی حد تک ہو کہ ظنیات بھی شرعاً
 حجت اور معاملات میں قانوناً مؤثر ہوتے ہیں کیونکہ ظنیات کے
 معنی و ہمیات کے نہیں۔ بلکہ صرف اس کے ہیں کہ خبر پر وثوق و
 اعتماد کے ساتھ جانب مخالفت کا احتمال بھی باقی رہے نہ یہ کہ اصل
 خبر بے اعتبار اور قابل رد ہو جائے۔ البتہ اس کی ساتھ اگر اس راوی
 واحد کی روایت کی جو ثقہ اور عادل ہے تحقیق بھی کر لی جائے یعنی اس
 خبر کے متابعات و مؤیدات اور شواہد و قرائن بھی فراہم ہو جائیں تو پھر
 اسی خبر فردے ظن اس حد تک بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یقین کی حد
 سے جا ملے۔ اور ایسی خبر اگر قطعیت کے ساتھ درجہ یقین تک نہ پہنچے
 گی تو شبہ یقین تک ضرور پہنچ جائے گی۔ جس کا نام اصطلاح میں
 غلبہ ظن ہے سو ایسی خبر اصول و آئین کی رو سے نہ رد کی جاسکتی
 ہے نہ غیر معتبر ٹھہرائی جاسکتی ہے جبکہ قرآن خبر فرد کے سلسلہ میں
 ایک فاسق کی خبر کو بھی کلیتہً غیر معتبر نہیں ٹھہراتا بلکہ
 بعد بتین اسے معتبر قرار دیتا ہے تو ایک ثقہ اور عادل کی خبر کو اس
 قرآنی اصول کی روشنی میں کیسے رد کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے
 خبر فرد اور اس کی حیثیت کا ثبوت آیات بالا سے بہت کافی وضاحت

کے ساتھ ہو جاتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خبرِ سرِ فرد کی حجت کا منکران ساری آیتوں کا منکر ہے جسے بلاشبہ منکرِ قرآن کہا جائے گا۔ اور نہ صرف منکرِ قرآن بلکہ تمام کتبِ سماوی اور تمام اخبارِ ملائکہ و انبیاء کا منکر ثابت ہو گا عیاذُ اللہ۔

بہر حال عدد کے لحاظ سے جبکہ یہ چار قسمیں حصر کے ساتھ اسکی اور معیاری ثابت ہوئیں تو اس کا قدرتی مقتضایہ

خبرِ غریب اور متواتر اور عزیز و مشہور کا
ماخذِ قرآن ہے تو بقیہ اقسام جو ان
چاروں کی فروع ہیں ان
کا ماخذ بھی قرآن ہو گا!

ہے کہ اس نوع کی بقیہ اقسام ان چار قسموں کی فروع ہوں اور ان کے ثبوت کے ضمن میں خود بھی ثابت شدہ سمجھی جائیں وجہ یہ ہے سلسلہ سند میں راویوں کی قلت و کثرت کا وہ عدد جس سے حدیث کی بنیاد کی قسمیں بنتی ہیں ایک سے شروع ہو کر چار ہی پر ختم ہو جاتا ہے اور چار ہی اساسی قسمیں بن جاتی ہیں جیسا کہ ابھی گزرا کہ ایک ایک راوی کی روایت ہو تو خبرِ غریب دو دو کی ہو تو خبرِ عزیز تین تین کی ہو

تو خبر مشہور اور تین و چار کی قید سے بالاتر ہو کر تین ثقہ اور عادل راویوں سے منقول ہو کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عاودہ محال ہو تو خبر متواتر ہے۔ حدیث کی یہی چار قسمیں بلحاظ عدد و روایات تمام اقسام کی جڑ بنیاد ہیں۔

چار سے زیادہ والی روایت ہو تب بھی انہی چار کی فرع ہوگی اور ایک سے کم والی روایت ہو تب بھی ان ہی چار کی شاخ کہی جائیگی کیونکہ یا وہ چار پر اضافہ ہو گا یا چار کا نقصان دونوں صورتوں میں نسبت ان چار ہی سے باقی رہے گی جس سے یہ کمی بیشی پہچانی جائیگی مثلاً اگر راویوں کا عدد چار سے بڑھ جائے اور اوپر سے نیچے تک جماعتیں روایت کریں تو وہ تو اتر طبقہ ہو جائے گا جو قرآن کریم کی روایت کی شان ہے۔ مگر یہ خبر متواتر ہی کی ایک نوع اور قسم کہلائے گی۔ خبر متواتر سے الگ کوئی مستقل قسم نہ ہوگی کیونکہ کسی شے پر اضافہ اس شے ہی کا تتمہ کہلاتا ہے جو اس کے تابع ہوتا ہے نہ کہ اُس سے الگ مستقل نوع۔ اسی طرح ان روایتوں میں سے ایک ایک راوی والی روایت میں سے اگر کہیں ایک سے بھی عدد گھٹ جائے جس ایک سے خبر غریب بنتی تھی تو وہ روایت رتبہ میں خبر غریب سے کم سہی مگر خبر غریب ہی کی شاخ کہلائے گی مثلاً اگر ابتداء سند میں (جو ہمارے)

جانب ہے) ایک راوی کم ہو جائے تو وہ حدیث متعلق کہلائے گی۔
 انتہاء سند میں (جو صحابی کی جانب ہے) ایک راوی گھٹ جائے تو وہ
 مرسل کہلائے گی اور درمیان میں سے گھٹ جائے تو معطل کہلائے گی
 مگر یہ تینوں قسمیں خبر غریب ہی کی شاخ شمار ہونگی کیونکہ یہ سب وہی
 ایک ایک راوی والی روایتیں ہیں جن میں کہیں کہیں ایک سے بھی
 عدد گھٹا گیا ہے پس مذکورہ بالا چار کے عدد پر اضافہ سے پیدا شدہ قسم
 متواتر کی قسم ہوگی اور ایک کی کمی سے پیدا شدہ قسم غریب کی قسم ہوگی
 اس لئے جو ماخذ خبر غریب اور خبر متواتر کا ہوگا وہی ان فردی اقسام کا
 بھی ہوگا کیونکہ یہ نئی اقسام نہیں بلکہ وہی خبر غریب اور خبر متواتر ہیں
 جن میں فرق اگرچہ ہے تو عدد کی قلت و کثرت کی وجہ سے صفات اور
 احکام کا ہوا ہے خبر کی ذات کا نہیں ہوا ذات خبر کی وہی کی وہی
 ہے جسے غریب یا متواتر کہا گیا تھا اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ خبر غریب
 اور متواتر اور عزیز و مشہور کا ماخذ قرآن ہے تو ان کی فروعات کا ماخذ
 بھی قرآن ہی ہوگا جب کہ یہ فروعات ذرا سے صفاتی فرق سے بعینہ
 وہی اصل ہیں۔ اس لئے بے تکلف دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ عدد روایات
 کی قلت و کثرت سے پیدا ہونے والی تمام اقسام حدیث قرآن سے
 ثابت ہیں کیونکہ جب ان کے اصول قرآن سے ثابت ہیں تو یہ فروع

بھی یقیناً قرآن مجید ثابت ہیں۔ بالخصوص جبکہ یہ قسمیں بجنسہ وہی اصل قسمیں ہیں فرق ذات کا نہیں صرف شئون و صفات کا ہوا ہے۔

پھر قرآن حکیم

نے اسی پر بس

نہیں کی کہ عدد

رواات کے لحاظ

اوصاف رواات کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں

ہی سے حدیث کی اساسی قسموں پر روشنی ڈالی ہو بلکہ حدیث کی ان بنیادی قسموں کی طرف بھی اصولاً راہ نمائی کی ہے جو راویوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ ان کے اوصاف کے لحاظ سے پیدا ہوتی ہیں اور اپنی نوع کی بقیہ اقسام کے لئے معیار و منشا کی حیثیت رکھتی ہیں چنانچہ حدیث کی دوسری تقسیم اوصاف رواات کے لحاظ سے کیجاتی ہے اور انہی اوصاف کے معیار سے راوی کے ثقہ غیث ثقہ معتبر غیر معتبر اور پھر اعتبار کے متفاوت درجات اعلیٰ و ادنیٰ کا فیصلہ کیا جاتا ہے سو ان اوصاف کی بنیادیں بھی قرآن کریم ہی نے قائم کی ہیں۔ جیسا کہ عدوی روایتوں میں راویوں کی معیاری تعدادیں بھی قرآن ہی نے معین کی ہیں۔

چنانچہ پہلے اس پر غور کیجئے

کہ راوی کے وہ تمام اوصاف

دو اصولی صفات عدالت اور ضبط

جو لحاظ روایت اسکی قبولیت کا معیار بن سکتے ہوں وہ اصولی صفات کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ عدالت اور ضبط اگر روایت کے راوی عادل ہوں جن میں عدالت کا فقدان یا نقصان نہ ہو اور ادھر وہ ضابطہ ہوں جنہیں حفظ و ضبط اور تقیظ و بہداری کا نقصان یا فقدان نہ ہو اور قلت عدالت و ضبط سے جو کمزوریاں راوی کو لاحق ہوتی ہیں جنکی تفصیل آگے آتی ہے ان سے راوی پاک ہوں اور ساتھ ہی سند مسلسل اور متصل ہو تو وہ روایت صحیح لذات کہلائیگی جو اوصاف راوی کے لحاظ سے روایت کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اس میں عدالت و ضبط مکمل طریق پر موجود ہے جو راوی کو ثقہ اور معتبر ثابت کرتا ہے۔ اس لئے اس دائرہ میں حدیث کی یہ قسم بنیادی اور اساسی کہلائیگی اس کے بعد جو قسم بھی پیدا ہوگی وہ ان اوصاف کی کمی بیشی اور نقصان یا فقدان سے پیدا ہوگی اس لئے وہ اسی خبر کی فرع کہلائے گی۔

نُقْصَانُ وَفُقْدَانُ عَدَالَتٍ | مثلاً اگر راوی ساقط العدالت ہو تو اس نقصان عدالت

یا فقدان عدالت سے پانچ اصولی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جنہیں مطاعن حدیث کہا جاتا ہے کذب ہمت کذب فسق جہالت بدعت یعنی راوی کا ذہن ہو یا کذب کی ہمت لئے ہوئے ہو یا فاسق ہو یا جاہل و نادان ہو یا بدعتی ہو تو کہا جائے گا کہ وہ عادل نہیں اس لئے اسکی روایت کا کوئی اعتبار نہیں

نقصان و فقدان ضبط

اسی طرح اگر راوی مضابط نہ ہو
تو اس نقصان حفظ یا فقدان

حافظہ سے بھی پانچ ہی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو روایت کو بے اعتبار بنا دیتی ہیں۔ فرط غفلت۔ کثرۃ غلط۔ مخالفت ثقاہ۔ وہم۔ سوسر حفظ۔ یعنی راوی غفلت شعار اور لاپرواہی ہو جس میں تیقظ اور احتیاط اور بیدار مغزی نہ ہو یا کثیر الاغلاط ہو یا ثقہ لوگوں سے الگ ٹٹی اور مخالف بات کہتا ہو یا وہمی ہو اُسے خود ہی اپنی روایت میں شبہ پڑ جاتا ہو۔ یا حافظہ خراب ہو یا بات بھول بھول جاتا ہو تو کہا جائے گا کہ یہ راوی ضبط و حفظ کا مضبوط نہیں۔ اس لئے اس کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں لیکن اس نقصان عدالت و ضبط یا ان دس مطاعن کے درجات و مراتب ہیں۔ اگر ان صفات عدل و ضبط میں کوئی معمولی سی کمی ہو مگر روایت کے اور طریقوں اور سندوں کی کثرت سے ان کمزوریوں کی تلافی ہو جائے تو اس حدیث کو صحیح وغیرہ کہیں گے اگر یہ تلافی اور جبر نقصان نہ ہو اور وہ معمولی کمزوریاں بدستور قائم رہ جائیں تو حدیث حسن لذا تہ کہلائیگی۔ اگر اس حالت میں بھی کثرت طرق سے تلافی نقصان ہو جائے تو حدیث حسن وغیرہ کہلائے گی اور اسی نیت سے ان کے اعتبار اور حیثیت کا درجہ قائم ہوگا۔

صحیح لذاتہ اور صارفہ کے لحاظ سے اساری اور پس اوصاف رواقہ کے
 بنیادی قسم ہے جسکی بنیاد قرآن نے رکھی ہے۔ اساری قسمیں نکل آئیں۔
 لحاظ سے حدیث کی چار

صحیح لذاتہ - صحیح لغیرہ - حسن لذاتہ - حسن لغیرہ - اور ان میں بھی بنیادی
 قسم صرف صحیح لذاتہ ہے جو اپنے دائرہ میں سب سے اونچی قسم ہے بقیہ
 تین قسمیں اسی میں کی آ جانے سے بچاتی ہیں۔ جیسے عروہ روایتوں میں
 بنیادی قسم متواتر تھی۔ اس میں کمی اور کمزوری آ جانے سے بقیہ تین قسمیں
 بن جاتی ہیں۔

پھر ان تین قسموں میں مطاعن کی کمزوریوں میں سے کوئی کمزوری
 اگر اور زیادہ بڑھ جائے تو حدیث ضعیف کی اور قسمیں پیدا ہو جائیں
 گی مثلاً اگر عدالت کی کمی کذب راوی سے ہو تو وہ حدیث موضوع
 کہلائے گی۔ تہمت کذب سے ہو تو متروک۔ جہالت راوی سے ہو تو مبہم
 یا مثلاً اگر ضبط راوی میں کمی کی وجہ سے فرط غفلت یا کثرة غلط یا مخالفت
 ثقاہ کے مطاعن پیدا ہو جائیں تو حدیث شاذ کہلائے گی۔ یا وہم و
 نسیمان راوی ہو تو معلل یا سومر حفظ ہو تو مختلط کہی جائے گی۔ مگر
 یہ ساری قسمیں اگر غور کیا جائے تو انہی مذکورہ تین بنیادی قسموں بلکہ ایک
 ہی بنیادی قسم صحیح لذاتہ میں کمی اور کمزوری آ جانے اور اس کمزوری
 کے متفاوت مراتب نمایاں ہو جانے سے پیدا ہوئی ہیں اس لئے ان سب کو

اسی ایک ادنیٰ قسم کی شاخیں کہا جائے گا۔ اس لئے جو ماخذ اس ایک قسم
 کا ہو گا وہی ان سب کا بھی ہو گا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ خبر صحیح لذاتہ کا ماخذ
 قرآن کریم ہے۔ اول تو خود قرآن کی روایت ہی صحیح لذاتہ ہے۔ اس لئے
 بھی صحیح لذاتہ کا ماخذ قرآن ہی ثابت ہو گا۔ پھر قرآن ہی نے صحیح لذاتہ
 کی شرائط و صفات کا قانون وضع کیا ہے اس لئے بھی وہی ماخذ ہے
 چنانچہ روایت کے راویوں کے ان دونوں بنیادی اوصاف عدالت
 و ضبط کو خبر کے رد و قبول کا معیار قرآن ہی نے قرار دیا ہے۔ جو صحیح لذاتہ
 کی جوہری حقیقت ہے۔ کیونکہ قرآن نے اوصاف روادہ کی یہ دو بنیادی
 نشانیں عدالت و ضبط شہادۃ میں قائم کی ہیں اور ہم سابق میں عرض کر چکے
 ہیں کہ شہادت و حقیقت روایت ہے اس لئے خبر شہادۃ کے لئے مشابہت میں
 عدل و ضبط کی قید و حقیقت جنس خبر کے راوی میں قید لگائے جانے کے
 مترادف ہے۔ کیونکہ خبر ہونا و دونوں جگہ قدر مشترک ہے یہ الگ بات ہے
 کہ شہادۃ قانونی خبر ہے تو اس کے راوی میں عدالت و ضبط بدرجہ کمال
 ہونا چاہیے اور روایت محض دیاتاتی خبر ہے تو اس میں ان اوصاف کی
 کمی بیشی بھی حسب تفاوت مراتب قابل قبول ہے لیکن نفس خبر کے لئے بہر حال
 راوی کا عادل و ضابط ہونا ضروری ہے سو قرآن حکیم نے شہادۃ کے لئے عدالت
 کی شرط تو اس آیت میں لگائی۔

وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ
اور دو عاویں دگوں کو اپنے میں سے

الشَّهَادَةُ لِلَّهِ
گواہ بنایا کرد اور شہادۃ قائم کرد۔

اس سے شاہد کی شہادۃ کے قبولیت کا معیار عدالت نکلا جو درحقیقت
خبر کے قبول کا معیار ہے۔

شہادۃ کے لئے دوسری شرط قرآن نے حفظ و قبض ذکر کی کہ شاہد
کا حافظہ بخیر متعمم نہ ہو جس کا اصطلاحی لقب قبض ہے فرمایا گیا۔

وَأَشْهَدُ وَأَشْهَدُ بَيْنَ مَنْ تَرَ جَابِلًا
اور گواہ بنایا کرد مردوں میں سے دو کو

فَإِنْ كُنْتُمْ ثَلَاثًا فَجَلَبُوا جُلًّا وَامْرَأَتَانِ
اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں

مِنْ ثَلَاثَةِ ضَرَفِينَ مِنَ الشَّهَادَةِ إِنْ لَهْلَ
جن کو تم پسندیدہ سمجھو۔ گواہوں میں سے

إِحْدَاهُمَا فَتَدَكِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَى
ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری یاد دلا

دے۔

الآیہ

حاصل یہ ہوا کہ گواہوں میں اگر عورت ہو تو عورت کیلئے ایک مرد کی
جگہ دو کی قید اس لئے رکھی گئی کہ اگر ایک سے بھول چوک ہو جائے جو عورت
میں بوجہ معاملات میں زیادہ ذہیل اور بار سوخ نہ ہوتے اور عدالتی کاموں
سے سابقہ کم پڑنے کے زیادہ متحمل ہے تو دوسری یاد دہانی کا فرض انجام دے
تا کہ شہادۃ اور روایت واقعہ میں نسیان سے غلطی نہ ہونے پائے جس سے
معاملہ بگڑ جائے۔ اس سے واضح ہے کہ راوی شاید میں بھول چوک کا غالب

احتمال ہوتے ہوئے اس کی شہادۃ و روایت معتبر نہیں ہوتی جب تک کہ اس احتمال
 نسیان کی تلافی کی صورت پیدا نہ ہو جائے ظاہر ہے کہ جب احتمال نسیان بھی
 روایت کو مخدوش کر دیتا ہے تو خود نسیان کی صورت میں تو شہادۃ و روایت
 کا اعتبار کیا ہی باقی رہ سکتا ہے۔ اس سے یہ اصول نکل آیا کہ راوی یا شاہد
 ناقص لحفظ اور قلیل الضبط ہو تو اس کی روایت و شہادۃ مقبوض نہیں ہو سکتی جس سے
 مطاعن حدیث کے دو بنیادی صفوں پر روشنی پڑ گئی کہ وہ ضمیمہ عدالت یعنی
 ظلم ہے جسے فق و فحور کہتے ہیں۔ اور ضمیمہ حفظ یعنی نسیان ہے۔ پس یہ دونوں
 وصف جس درجہ میں بھی راوی میں ہونگے اس کی روایت مخدوش ہو جائے
 گی۔ باقی اہم کرمیہ میں دفع نسیان کی مد تک عورت کی تخصیص اس لئے
 نہیں کی گئی کہ مرد کے لئے روایت میں نسیان اور بھول چوک قابل اعتراض
 یا مطاعن روایت میں سے نہیں بلکہ اس لئے کہ عورت میں اس قسم کے نسیان
 کا مظنہ غالب ہے جبکہ عاداتاً اسے ایسے عدالتی کاموں میں پڑنے کی نوبت
 شاذ و نادر ہی آتی ہے اور ساتھ ہی اس کا معاملاتی فہم بھی اتنا ادنیٰ نہیں
 کہ بلا امداد غیرے قابل اعتماد ہو سو یہ تخصیص واقعہ کی خصوصیت ہوئی۔ اصول
 میں تخصیص نہیں ہوئی۔ نیز جب مرد کے لئے مثنیٰ و تکرار کی قید لگادی گئی
 جس سے شاہد کے ساتھ طالب شہادۃ کی رضا ضروری ٹھہری اور ظاہر ہے
 کہ شاہد مرضی پسندیدہ ہی ہو سکتا ہے جو شرائط شہادۃ یعنی حفظ و ضبط میں کمزور

اور متہم نہ ہوا اس لئے عورت کے لئے بوجہ مذکور اگر حفظ و ضبط مراعات کر لیا گیا
 تو مرد کے لئے بعنوان رضا اسکا تذکرہ فرمایا گیا اس لئے اس اصول سے جو آیت
 کریمہ سے نکلا شہادۃ کے لئے اور جبکہ شہادۃ کی خبر ہے تو خبر و روایت کے
 لئے خواہ اس کا راوی مرد ہو یا عورت ضبط و حفظ کا وجود ضروری ہے اور یہ
 نفسیان یا قلۃ حفظ روایت کے حق میں طعن اور سقوط اعتبار کا سبب ہے
 اور ہر راوی کے لئے عدالت پہلی آیت سے ثابت ہو چکی ہے تو دونوں آیتوں
 کے مجموعہ سے خود بخود نکل آیا کہ قرآنی اصول پر ناقابل رو شہادۃ اور طحاہ تسلیم
 روایت وہی ہو سکتی ہے جس کے راوی عادل و ضابط ہوں اور ان میں نہ ضعف
 حفظ ہو نہ ضعف عدالت۔ بس ایسی ہی روایت کا نام محدثین کی اصطلاح
 میں صحیح لذاتہ ہے۔ خواہ اسے ایک راوی روایت کرے یا دو یا تین یا
 اس سے زیادہ۔ اس لئے حدیث صحیح لذاتہ اوصاف رواۃ کے لحاظ سے
 اساسی اور بنیادی قسم ثابت ہوئی جس کی بنیاد قرآن عزیز نے رکھی اور
 اس کے راوی کے اوصاف عدالت و مضبوط شخص کے
 قرآن نے عدالت مضبوط کیسا تھا ان کے نقصان و فقدان اس سے بڑھ کر
 سے پیدا ہونیوالی دس کمزوریوں کی وضاحت کر دی ہے | تدبر کیا جائے
 تو واضح ہو گا کہ قرآن نے اوصاف رواۃ کے سلسلہ کے صرف یہ دو بنیادی
 وصف ہی بیان نہیں کر دیئے جن کا نام عدالت و ضبط ہے بلکہ ان کے نقصان

وَقَدْ اِنْ سَے جو کس مطاعن روایت پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف واضح اشارے فرما دیئے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کی سند بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اس کے ابتدائی رجال پر روشنی ڈالی کہ خود حق تعالیٰ سے قرآن کی روایت کرنے والے تو جبریل امین ہیں اور ان سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم روایت فرما رہے ہیں اس سلسلۃ التہدیب کی کڑیوں اور ان کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن نے فرمایا۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ مِّنْ رَّبِّكَ يَهْدِي قَوْمًا
عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٌ مُّتَّاعٍ ثَقَرًا
وَصَاحِبُكُمْ بِمَحْجُوْنٍ وَّلَقَدْ نَزَّلْنَاهُ بِالْاَفْقِ
الْمُبِيْنِ وَمَا هُوَ عَلٰى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ
وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ

یہ قول ہے رسولِ کریم (جبریل) کا جو قوت والا ہے۔ عرشِ مالے کے نزدیک ذی مرتبہ ہے۔ اُس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ امانت والا ہے۔ اور تمہارا ساتھی (محمد) مجنوں نہیں ہے۔ اس نے جبریل کو افق میں دیکھا ہے اور وہ غیب کے بارے میں غیب نہیں ہے اور نہ وہ قول ہے شیطانِ رجیم کا۔

رسولِ کریم سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں جنہوں نے قرآن کے ساتھ تقول کیا اور رسولِ اکرم کو پڑھ کر سنایا۔ پس جبریل راویِ اول ہیں قرآن نے یہ نہیں کیا کہ چونکہ جبریل فرشتہ ہیں تو ان کی ملکیت کی وجہ سے اس روایت کو واجب التسلیم سمجھو۔ گویا ان کی بزرگی کا دباؤ مان کر روایت کو مانو

نہیں بلکہ ان کی روایت کو بھی اصولِ روایت پر پرکھ کر ہی واجبِ قبول ہونے کا حکم کیا گیا ہے۔ چنانچہ جبریل سے متعلق بیان فرمودہ اوصاف میں خصوصیت سے جو اوصاف قبولِ روایت سے متعلق ہیں وہ تین ہیں۔ رسول۔ کریم۔ امین۔ یعنی رسالت۔ کرامت۔ امانت اور انہی تین صفوں سے چونکہ دوسوں مطاعنِ حدیث منفی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جبریل کی روایت واجبِ قبول ہوئی نہ کہ محض فرشتہ ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ غور کیا جائے تو رسالت کی حقیقت علم ہے کیونکہ نبوت کی بنیاد ہی علم پر ہے۔ اس لئے رسالت الہی درحقیقت علم الہی ہے۔ اور جبکہ علم کی ضد جہل ہے تو جبریل امین کو رسول کہنے سے جہالت ان سے منفی ہو گئی جو دس مطاعنِ روایت میں سے ایک ہے۔

پھر ظاہر ہے کہ رسالت ہی شریعت ہے جس کے لئے اتباع و

القیاد ضروری ہے۔

پھر ہم نے کر دیا ہے تمہیں (اے پیغمبر) امر کی

فَوَصَّيْنَاكَ عَلَىٰ مَشْرُوعَةٍ مِّنَ

شریعت پر سو آپ اس کا اتباع کیجئے

الْأَمْرِ فَالْتَبِهَا

اور متبع کبھی مبتدع نہیں ہو سکتا اس لئے رسالت ہی کے لفظ سے

بدعت بھی منفی ہو جاتی ہے۔

پھر جہالت ہی کا ایک شعبہ مخالفتِ ثقافت بھی ہے۔ کیونکہ جس روایت

فسق و فجور ہے چنانچہ عرف شرع اور لغت میں متقی کا مقابل فاسق آتا ہے۔
 اس لئے جو کریم ہو کر متقی ہوگا۔ وہ کبھی فاسق نہیں ہو سکتا تو کریم ہی کے لفظ سے
 فسق کی صفت بھی منہی ہو گئی اس لئے صفت کرامت سے قرط غفلت کثرة
 غلط۔ وہم۔ سو حفظ اور کثرة فسق چاروں مطاعن حدیث منہی ہوئے۔
 تیسری صفت امین بتائی گئی۔ جو روایت کے بارے میں اصل

اصول ہے۔ امانت ضد خیانت ہے اور خیانت فی الروایت کے
 افراد میں سے کذب اور تہمت کذب کا ہونا واضح ہے اس لئے امانت کو
 کذب اور تہمت کذب کی صفت منہی ہو گئی پس تین مطاعن بہ حالت بدعت
 مخالفت ثقاة تو صفت رسالت سے منہی ہوئے۔ پانچ مطاعن قرط غفلت
 کثرة غلط۔ وہم۔ سو حفظ اور فسق صفت کرامت سے منہی ہوئے اور
 دو مطاعن کذب اور تہمت کذب صفت امانت سے منہی ہوئے اس طرح
 حدیث کے مطاعن عشرہ کی جبریل امین سے نفی ہو گئی۔

ادھر مثبت انداز میں انہیں ذی قوۃ کہا گیا کہ وہ کسی سے دینے
 والے نہیں کہ دب کر کچھ کا کچھ کہہ دیں اور جان بوجھ کر دباؤ سے روایت کو غلط کر
 دیں پھر عند ذی العرش مکین کہا گیا۔ اگر مکین کے معنی مقیم کے ہیں تو حاصل یہ ہوا
 کہ عرش والے خدا کے پاس رہتے ہیں انہیں اس سے غایت درجہ قرب ہے
 بعد کا نشان نہیں اس لئے روایت کو قریب سے لیتے اور سنتے ہیں۔ بعد کی

درجہ سے جو پیش آتا ہے کہ کچھ کا کچھ سن لیں اور روایت کر دیں یہ ان سے ممکن نہیں۔ اس لئے ان کا قول بلحاظ روایت بھی محفوظ ہے اور بلحاظ سماع بھی محفوظ ہے۔ نہ سنت میں غلطی نہ کہتے اور روایت کرنے میں کوئی ادنیٰ قصور ہے۔ جن کو محدثین کی اصطلاح میں تحمل اور ادا کہتے ہیں یعنی تحمل روایت بھی مضبوط اور ادا روایت بھی مضبوط۔ اس سے محدثین کے ان دو اصولوں (تحمل اور ادا) کا مآخذ بھی قرآن ہی ثابت ہوا اور اگر میکین کے معنی ذی عزت کے لئے جائیں تو حاصل یہ ہو گا کہ وہ عند اللہ با عزت اور بار تہ ہیں۔ بارگاہ حق میں ان کا احترام ہے سوایا مقبول خداوندی روایت میں کس مرتبہ کیسے کر سکتا ہے۔ ۹

پھر انہیں مطاع کہا گیا جس سے ان کی مقبولیت عامہ وافع کی گئی جس سے ان کی روایت کا کمال احترام نمایاں ہوتا ہے۔ گویا وہ ان کی بات اس درجہ مقبول ہے کہ ملائکہ کا عالم ان کی بات سننے کے اشتیاق میں رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عند اللہ وعند الخلق ان کی محبوبیت و مقبولیت وافع کر دی گئی جس سے راوی قرآن کی ذاتی پوزیشن بھی نمایاں ہو گئی اور روایت کے سلسلہ کے اوصاف بھی واضح ہو گئے اور ساتھ ہی ان اوصاف کی اضداد بھی منفی ہو گئیں تو ثابت ہو گیا کہ قرآن کی روایت جو جبرئیل امین کے ذریعہ پیغمبر تک پہنچی محض اس لئے واجب التسلیم نہیں کہ وہ فرشتہ کی روایت ہے بلکہ اس لئے

بھی واجب القبول ہے کہ وہ اصول روایت پر پوری اترا ہی ہے۔ ادھر
 قرآن کے دوسرے راوی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سوان
 کی روایت کے بارہ میں بھی محض یہ کہہ دینے پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ پیغمبر
 اور سرور انبیاء و رسل ہیں لہذا ان کی روایت کو مانو۔ بیشک قبول روایت
 کے لئے یہ سب سے بڑا سبب اور محرک ہے مگر ایسا کہہ دیئے جانے سے
 فنی طور پر اصول روایت کی روشنی میں روایت میں ثبوت نہوتا جو منکر پر بھی
 حجت بن سکتا۔ اس لئے مقدس راوی ثانی کی توثیق بھی اصول روایت ہی
 کے لحاظ سے فرمائی گئی اور چار اوصاف بیان فرمائے گئے۔ تین منفی قسم
 کے اور ایک مثبت قسم کا۔ منفی اوصاف یہ ہیں کہ آپ مجنوں نہیں ہیں۔ ظاہر ہو
 کہ مجنوں کی روایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی جب تک کہ راوی عاقل نہ ہو۔
 دوسرے یہ کہ غیب کے علوم کی اطلاع میں نخل نہیں بلکہ افادہ عامہ کا جذبہ
 رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ علم میں نخل ہو تو آدمی اس کے اظہار میں کتر بیونت
 اور قطع برید کرتا ہے جس سے روایت کبھی پوری ادا نہیں اور ناقص روایت
 سے مفہوم پورا نہیں ہو سکتا جو روایت کا سب سے بڑا عیب اور از قسم خیانت
 ہے مگر جو شخصیت افادی جذبہ رکھتی ہے اور اس میں علمی نخل کا نشان نہ
 ہو جو اکثر ارباب کمال میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی شخصیت روایت
 کی ادا میں ہمہ وقت کوتاہاں اور منہک رہے گی اور اس سے نقص روایت

کی غلطی کا ہو جانا ممکن ہو گا۔ تیسرے یہ کہ یہ قرآن کسی شیطان رحیم کا قول نہیں بلکہ مقدس پیغمبر کا قول ہے۔ شیطان سرچشمہ ہے تمام معائب و خبائث کا اور اس کے بالمقابل پیغمبر سرچشمہ ہوتا ہے تمام محاسن و کمالات کا جس سے پیغمبر کی جامعیت کمالات واضح کی گئی ہے جو روایت کی توثیق کے لئے کافی دلیل ہے۔ چوتھا وصف فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے جبریل کو اُمتی میں

میں دیکھا ہے یعنی آپ جس راوی سے قرآن کی روایت لے رہے ہیں اس کا مشاہدہ آپ کو حاصل ہے جو روایت میں ایک بنیادی اور اہم مقام ہے پس پیغمبر میں جامعیت کمالات ثابت کر کے تو تمام اُن مطاعن کی نفی کر دی گئی جو جبریل سے کی گئی تھی اور روایت جبریل کا ذکر کر کے روایت کی بنیاد پر مشاہدہ پر ثابت کی گئی جو اصول روایت کے لحاظ سے بنیادی چیز ہے۔

صحیح لذاتہ سے انکار قرآن کی
سینکڑوں آیتوں سے انکار ہے

اس سے واضح ہو گیا
کہ قرآن حکیم نے نہ صرف
اوصاف روایت کے

دو بنیادی اصولوں عدالت اور ضبط ہی کو سامنے کر دیا ہے بلکہ ان دو کی ضد سے جو اوصاف فہیمہ اور روایت کے حق میں کس مطاعن پیدا ہوتے تھے ان کی بھی تفصیل فرمادی۔ بالفاظ دیگر قرآن روایت کی فنی بنیادیں کہہ دیا جن سے صحیح روایتوں کا آئینی وجود عمل میں آیا اور قرآن روایت دنیا میں

ظاہر ہوا جواب تک نہ تھا۔ ساتھ ہی محدثین کی جلالت قدر بھی واضح ہو گئی کہ انہوں نے ابن روایت کے وہ تمام اصول نکھار کر سامنے رکھ دیے جن کی بنیادیں قرآن نے قائم کی تھیں یعنی اتباع قرآن کی برکت سے ان کا ذہن ان تمام اصول روایت تک پہنچ گیا جو قرآن کے نظم میں لپٹے ہوئے بطور مخفی خزانہ کے محفوظ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اوصاف رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی بنیادی قسم صحیح لذات ہے جس کے بنیادی اوصاف دو ہیں عدالت و ضبط اور ان دو کے فقدان سے اس کے منافی اوصاف دس ہیں۔ فقدان عدالت سے پاپیخ کذب۔ تہمتہ کذب۔ فسق۔ جہالت۔ بدعتہ اور فقدان ضبط سے پاپیخ۔ فرط غفلت۔ کثرة غلط۔ مخالفت ثقاہ۔ وہم۔ سوء حفظ۔ اور ان سب مثبت و منفی اوصاف کو صاف صاف قرآن حکیم نے بیان ہی نہیں کیا بلکہ ان کی بنیادیں کھیں۔ کسی کی عبارتہ النص میں اور کسی کی دلالت و اقتضا میں اور پھر ان بنیادوں پر آئی ہوئی روایتوں پر دین و دنیا کے سارے معاملات فیصل کرنے کی بنیاد رکھی اس لئے حدیث صحیح لذاتہ کا انکار و حقیقت قرآن کی سیلکڑوں آئینوں کا انکار ہے۔ اس لئے کسی منکر حدیث کے لئے جو اتباع قرآن کا نام تہاد مدعی ہے۔ کم از کم اس روایت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جس کا نام صحیح لذاتہ ہے۔

اب رہیں اس دائرہ کی دوسری انواع حدیث جن کی تفصیل بھی

گذری سو وہ اسی صحیح لذاتہ سے پیدا شدہ ہیں کیونکہ صحیح لذاتہ کے راویوں کے اوصاف عدالت و ضبط میں نقصان یا فقدان سے یہیں حسب مراتب نقصان و فقدان بنتی ہیں اس لئے یہ ساری قسمیں اسی صحیح لذاتہ کی شاخیں اور فروع مافی جائیں گی۔ کیونکہ ان کا وجود ہی صحیح لذاتہ کی طرف نسبت ہو جانے سے بنتا ہے۔ چنانچہ ان کی تعریف میں اولاً اُسی کا ذکر آئے گا اور کہا جائے گا کہ صحیح کے خلاف وصف کی کمی سے فلاں قسم بنی اور فلاں وصف کے نقصان سے فلاں قسم۔ اور ظاہر ہے کہ جب ان اقسام کا وجود بھی بلا صحیح لذاتہ کے ذکر کے سمجھ میں نہیں آ سکتا تو یہ اسی کی کھلی علامت ہے کہ ان اقسام کا کوئی اپنا مستقل وجود نہیں بلکہ صحیح لذاتہ کے احوال و عوارض کے تابع ہے یہ احوال و عوارض کھٹے بڑھتے رہتے ہیں تو یہ نہیں بچاتی ہیں ورنہ نہیں ورنہ ظاہر ہو کہ جہاں اقسام یعنی صحیح لذاتہ اور اس کے رواۃ کے احوال و اوصاف کا مآخذ قرآن حکم ہے تو ان توابع اور فروع کا مآخذ بھی قرآن ہی مانا جاوے گا ورنہ ان کی ثابت شدہ تبعیت اور فرعیت باقی نہ رہے گی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اقسام ہی باقی نہ رہیں گی۔ اس لئے لامحالہ جیسے یہ وجود میں صحیح لذاتہ کے تابع ہیں ایسے ہی ثبوت میں بھی اسی کے تابع رہیں گی اور اس صحیح لذاتہ کا ثبوت قرآن سے

واضح ہے جیسا کہ ابھی تفصیل سے عرض کیا گیا۔ تو ان کا ثبوت
بھی قرآن ہی سے ثابت ہو گیا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ختم
کا معدن تو زمین ہو اور شاخوں کا معدن زمین نہ ہو

بہر حال ہم نے
جنس حدیث کا ثبوت

آیتہ۔ اِن عَلَيْنَا
بَيَانُهُ سے

پیش کیا تعداد
رواۃ کے لحاظ

سے حدیث کی چار
بنیادی قسموں میں

قرآن نے دنیا کو روایت و

حدیث کے موضوع سے آشنا

کیا ہے جس پر وہ خود اور اس کا بیان

(حدیث) قائم ہے

سے ایک قسم متواتر کا ثبوت مجموعہ قرآن کی روایت اور
پھر قرآن کے قرآن ہونے کی خبر سے پیش کیا۔ جس
کے ضمن میں جنس حدیث اور نفس روایت کا بھی مکرر ثبوت
ہو گیا اور پھر ان چار میں سے بقیہ تین قسموں۔ خبر مشہور
خبر عزیز۔ خبر غریب۔ کا ثبوت الگ الگ صریح آیات سے
پیش کیا جس سے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ راویوں کی عددی

قلت وکثرة اور وحدة و تعدد کے معیار سے روایت کی جو بنیادی قسمیں بنتی ہیں اور محدثین نے فن مصطلحات الحدیث میں ذکر کی ہیں ان سب کی بنیادیں قرآن حکیم ہی کی قائم کردہ ہیں۔ پھر اسی طرح راویوں کے وہ اوصاف و اخلاق جن سے ان کی روایت قابل قبول بنتی ہے اور پھر ان میں بھی وہ مرکزی صفات جن کی طرف تمام اوصاف رواۃ رجوع رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم ہی نے معین فرمائے۔ اور وہ عدالت اور ضبط ہیں۔ جس کے لئے دو واضح آیات پیش کی گئیں۔ پھر ان کے نقصان و فقدان سے جو دس مطاعن پیدا ہوتے ہیں ان کی اصلیں بھی قرآن ہی نے قائم کیں۔ غرض حدیث کی روایت کے اصول و فروع کی تاسیس قرآن نے کی۔ جس سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ حدیث کی جنس ہی نہیں بلکہ اس کی بنیادی قسموں اور اساسی اوصاف تک کی بنیاد بھی قرآن حکیم ہی نے رکھی ہے۔ اور کیوں رکھی؟۔ جواب یہ ہے کہ خود اپنی ہی ضرورت سے اُسے اپنی شرح و تفسیر منظور تھی تو اس نے روایت و خبر اور حدیث کے موضوع سے دنیا کو آشنا

کیا جس سے اقوام عالم بے خبر تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ روایت و سند کیا چیز ہے؟ اس کے صحت و سقم کا معیار کیا ہے؟ عدد آ کیا ہے؟ اور صفہ کیا ہے؟ اور اس کے معیار سے طبعی طور پر کتنی قسمیں بن سکتی ہیں۔ جس میں سے بعض بعض سے پیدا شدہ ہو سکتی ہیں۔ ان کے اعتبار و محبت کے مراتب و درجات کیا ہونے چاہئیں ان کے احکام و شرائط کیا ہو سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ تاکہ اس فنی طریق روایت سے پیغمبر کے اقوال و افعال اُمت کے سامنے آئیں اور کلام الہی کی قوی و عملی تفسیریں اور دنیا اسوہ حسنہ سے روشناس ہو۔ اس لئے اسناد و روایت اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت ہے جو دوسرے مذاہب کو میسر نہیں کیونکہ قرآن نے ہی اس طریق استناد و تحقیق اور بتیّن روایت کی اساس قائم کی ہے جس پر وہ خود بھی قائم ہے اور اس کا بیان (حدیث) بھی قائم ہے۔

قرآن کے نام پر سارے دین کو بے اعتبار بنانا
دشمنان اسلام کا آخری منصوبہ ہے

اس لئے
اسلام
کے

دشمنوں بالخصوص یہود و نصاریٰ اور ان کی نفسانی اولاد پر جو ان ہی کے رنگ پر پٹی اور ان ہی کی قے چاٹ کر پروان چڑھی اسلام کا یہ امتیازی نشان شاق ہوا تو انہوں نے حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ انْفُسِهِمْ اُسے میٹ دینے کی کوشش کی حدیث اور اس کے ساتھ قرآن کے طریق روایت پر شکوک و شبہات وارد کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے دین سے سبزار کرنا چاہا۔ لیکن اس دین کے اصلی محافظ نے جو اس کا نازل کنندہ ہے اس کی حفاظت کی اور ان کی تمام مساعی رائگاں گئیں۔ تب انہوں نے کمالِ نفاق سے آخری حربہ قرآن کے نام پر قرآنی دین کی روایات کو بے اعتبار بنانے اور بیانِ قرآن یعنی حدیث کو دنیا سے محو کر دینے کا منصوبہ بنایا لیکن قرآن نے انھیں کھٹکا کر دیا۔ اور ان کی وسیسہ کاریوں کو انھیں کے موہنہ پر مار کر ان کے علی الرغم حدیث و روایت کے سلسلے میں حدیث سند حدیث مطاعن حدیث اوصاف روایات عدد روایات اس عدد کی قلت و کثرت سے پیدا شدہ اقسام حدیث اوصاف رواۃ اور ان کے قوت و ضعف کے معیار سے حاصل شدہ انواع روایت وغیرہ کا ماخذ قرآن نے خود اپنے کو بتایا۔ تاکہ کسی بواہر کو قرآن کی آڑ لیکر خود اسی کے بیان کو بے اعتبار بنانے کی جرات نہ ہو پس روایات حدیث عددی قسم کی ہوں یا وصفی قسم کی

قرآن سے باہر نہیں جاسکتیں جب کہ قرآن ہی اُن کے حق میں ہو سکتا ہے اور وہ کسی انسان کی اختراع و ایجاد سے پیدا نہیں ہو گئیں۔ البتہ ان کے رسماء و القاب اور ان کے احوال کی معتبر اصطلاحات علماء نے اُن کے مناسب حال خود تجویز کر لئے سو اصطلاح کی تجویز کا مطلب نہیں ہو سکتا کہ حقائق بھی ان کی اختراع کردہ ہیں اور ظاہر ہے کہ جب حدیث کی قسموں کے یہ معیاری اصول اور ان کی بنیادی انواع و اقسام قرآن کی تائیس سے قائم شدہ ہیں اور وہی ان کی فروعی اقسام کا بھی بواسطہ اصول مأخذ ہے تو انکار حدیث درحقیقت انکار قرآن ہے اور حدیث کی حجیت کا انکار فی الحقیقت قرآن کی حجیت کا انکار ہے۔

حفاظتِ الہی قرآن و بیان
کی سنینہ نبوی تک

یہ یہی نہیں کہ حدیث کی یہ بنیادیں ہی قرآن نے قائم کی ہیں اور وہ اُن کے حق میں صرف

مأخذ ہی ہے بلکہ غور کیا جائے تو قرآن ہی نے حدیث کے محفوظ من اللہ ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے جس کے بعد انکار حدیث کی نہ صرف یہ کہ گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ یہ انکار پہاڑ سے سر کھوڑنے کے مترادف ثابت ہوتا ہے جس سے منکر کے ایمان بدیعاً خلل پڑ سکتا ہے لیکن روایت و حدیث کے نظم

میں کوئی ادنیٰ خلل نہیں آسکتا وجہ یہ ہے کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق قرآن فہمی بلا بیان کے نہیں ہو سکتی اور یہ کہ بیان ہی سے مراد خداوندی کھل سکتی ہیں اس لئے قرآن کی حفاظت کے معنی صرف اس کے الفاظ کی حفاظت کے نہیں ہو سکتے بلکہ قرآن مع بیان کی حفاظت کے ہوں گے کیونکہ قرآن حکیم میں ایک درجہ الفاظ و تعبیرات کا ہے جس کا تعلق قرآنہ خداوندی اور پیغمبر کی لسانی حرکت سے ہے اور ایک درجہ معانی و مطالب اور مرادات خداوندی کا ہے جس کا تعلق بیان خداوندی یا بیان نبوی سے ہے پس قرآن کے تحفظ و بقا کے معنی یہ ہیں کہ اس کے الفاظ و تعبیرات بھی محفوظ ہوں اور معانی و مرادات یعنی بیان بھی محفوظ ہو۔ ورنہ اگر الفاظ کی حفاظت ہو جائے اور معانی کی رہ جائے تو گویا نصف قرآن کی حفاظت ہوئی اور نصف غیر محفوظ رہ گیا یا معانی کی حفاظت تو کی جائے اور الفاظ و تعبیرات کی چھوڑ دی جائے تو پھر بھی وہی نصف قرآن کی حفاظت ہوئی اور نصف کی رہ گئی اس لئے مکمل حفاظت جب ہی ہو سکتی ہے جب لفظ و معنی اور قرآن و بیان دونوں محفوظ کر دیئے جائیں ورنہ ناقص حفاظت ہوگی جسے حفاظت نہیں کہا جاسکتا حالانکہ دعویٰ حفاظت کاملہ کا کیا گیا ہے جیسا کہ لفظ حافظوں کے مطلق لانے سے واضح ہے۔ اس بنا پر حق تعالیٰ نے دونوں ہی کی حفاظت

کا ذمہ لیا کہ ایک کے بغیر دوسرے کا محفوظ رہنا و شواہد تھا۔

چنانچہ جہاں تک حضور اکرمؐ کی ذات کا تعلق ہے حق تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری عَلَيْنَا کے کلمہ سے فرمائی جو اپنے اوپر لازم کر لینے کے معنی میں آتا ہے یعنی عَلَيْنَا ہی کے کلمہ سے تو قرآن کی جمع و حفاظت کا سینہ نبوی میں ذمہ ظاہر فرمایا۔ اور ظاہر ہے قرآن کے معنی مائتہ کے ہیں یعنی پڑھے جانے کی چیز۔ اور پڑھے جانے کی چیز ظاہر ہے کہ الفاظ ہی ہیں معنی نہیں ہو سکتے اس لئے ان عَلَيْنَا جمعہ و قرآنہ سے تحفظ الفاظ کا وعدہ ہوا۔ پھر عَلَيْنَا ہی کے کلمہ سے حضور کیلئے ان الفاظ کے مطالب و مرادات کھول دینے کا ذمہ لیا جسے بیان کہتے ہیں کیونکہ بیان کے معنی کھول دینے اور واضح کر دینے کے ہیں اور واضح معانی ہی کئے جاتے ہیں جو لفظوں میں مخفی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں نہ کہ خود الفاظ کہ وہ ہر ایک حرف شناس کے لئے واضح ہوتے ہیں اس لئے ثم ان عَلَيْنَا بیانہ سے اس بیان کی حفاظت کی ذمہ داری واضح ہو گئی پھر ثم کا لفظ بھی اس کی کھلی دلیل ہے کہ اس کے بعد عَلَيْنَا سے جو ذمہ داری لی جا رہی ہے اس کا پہلی ذمہ داری سے تعلق نہیں۔ ورنہ ثم کا لانا عجیب ہو جائے گا۔ پس عَلَيْنَا کا تکرار اور ثم سے ان دونوں میں فصل ان دو ذمہ داریوں کو کھلے طور پر واضح کر دیتا ہے۔ ایک الفاظ و متن کی حفاظت

کی اور ایک بیان قرآن کی حفاظت کی ظاہر ہے کہ اس بیان کو جو
 قرآن کے بارہ میں سینہ نبوی میں ڈالا گیا جس تعبیر سے بھی
 ڈالا گیا ہو جب وہ حضور اکرمؐ کے سینہ مبارک میں کسی ملفوظ کی
 شکل میں خطور کرے تو وہ ہی حدیث نبوی ہے جس کا
 مضمون تو من اللہ ہے اور الفاظ من الرسول اور ثم علینا
 سے اسی بیان کو سینہ نبوی میں محفوظ کر دینے کی
 ذمہ داری حق تعالیٰ نے سر مائی تو دوسرے لفظوں
 میں حدیث کے تحفظ کی ذمہ داری رسول کی ذات
 کی حد تک اللہ کی طرف سے ثابت ہو گئی۔ پس
 اگر قرآن (مَا يُقْرَأُ) ضائع نہیں ہو سکتا تو بیان
 (مَا يُبَيِّنُ) بھی ضائع نہیں ہو سکتا حق تعالیٰ نے پہلی
 چیز یعنی الفاظ تو رسول تک بذریعہ قرآن پہنچائے
 چنانچہ کہیں فاذا قرأناہ اجب ہم قرآن کرنے لگیں
 سر ما کر اپنے کو قاری ظاہر فرمایا اور کہیں تلو علیک
 (ہم تم پر اسے نبی تلاوت کرتے ہیں) سر ما کر اپنے کو
 تلاوت کنندہ فرمایا ادھر دوسری چیز یعنی مراد
 ومطالب کا بیان رسول تک بذریعہ تسلیم ہو چایا۔ کیونکہ

علم کا موضوع الفاظ کو پہچانا نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے معانی و مطالب کا سمجھانا ہوتا ہے، اور اسی کو تسلیم کہتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے ہی کو معلم رسول بھی فرمایا :-

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور ہم نے تسلیم دین تم کو وہ باتیں
وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا جو تم نہیں جانتے تھے اور تمہا تم پر اللہ
کا بڑا فضل۔

کہیں اس تسلیم کو ہدایت کے لفظ سے تعبیر فرمایا جس کا تعلق الفاظ سے نہیں معانی ہی سے ہے۔ چنانچہ کتاب الہی اور ایمان باللہ کے بارہ میں اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ہی اے نبی تمہیں ایمانی مقاصد کی ہدایت کی ورنہ تم اس سے پہلے ان باتوں سے واقف نہ تھے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مِنَ نَشَاءِ مَنْ عِبَادُنَا۔

بہر حال تدرآن کے الفاظ اور معانی تلاوت اور ہدایت و تسلیم کے ذریعہ پیغمبر تک بحفاظت تمام پہنچ گئے اور سینہ نبوت میں جمع اور محفوظ ہو گئے۔

مگر سب
جانتے

ہیں کہ
قرآن

حفاظت الہی اس قرآن و بیان کی اُمت کی حد تک

اُتارنے کا مقصد قیامت تک کے انسانوں کی تکمیل ہے جیسا کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً سے واضح ہے۔ اس لئے محض رسول کی تعلیم اور اُن پر تلاوت کر دینے سے یہ مقصد عظیم پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ یہ قرآن و بیان ساری اُمت تک اُسی حفاظت سے نہ پہنچ جائے اور تا قیام قیامت اسی طرح محفوظ نہ ہو جائے جس طرح رسول تک پہنچا اور محفوظ ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اسی تلاوت اور تعلیم و ہدایت کا ذمہ جو رسول کیلئے خود لیا تھا امت رسول کیلئے وہی ذمہ رسول کے سر عائد فرمایا کہ وہ امت کیلئے تلاوت آیات بھی کریں تاکہ الفاظ قرآنی امت تک پہنچ جائیں اور تعلیم و ہدایت کا سلسلہ بھی قائم کریں تاکہ مطالب و مرادات الہی بھی امت تک پہنچ جائیں اور اس طرح قرآن و بیان کے بحال امانت و دیانت آگے تک پہنچتے رہنے کا سلسلہ قائم فرمادیں چنانچہ رسول کی ذمہ داریاں ظاہر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم
 رسولا منهم يتلوا عليهم اياتهم ويذكهم
 ويعلمهم الكتاب والحكمة وان
 كانوا من قبل لفى ضلال مبين -
 واخبرين منهم لما يلحقو بهم
 وهو العزيز الحكيم -

تحقیق احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے
 مومنین پر جبکہ ان میں الہی میں سے ایک رسول
 بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت
 کرتا ہے ان کو پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں
 کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ
 اس سے پہلے کھلی گمراہی میں اور

دوسرے ان لوگوں میں جو تب تک ان
 سے ملے ہیں۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے

اس میں وہی تلاوت اور تعلیم کی ذمہ داری رسول پر ڈالی گئی ہے جس کی
 ذمہ داری رسول تک پہنچانے کی خود حق تعالیٰ نے لی تھی۔ یہاں
 تک تو رسول پر منصبی ذمہ داری عائد کر دیئے جانے کی اصطلاح تھی۔
 لیکن یہ کہ رسول نے ذمہ داری کو عملی جامہ پہنایا یا نہیں اور قرآن کے
 ساتھ بیان قرآن امت تک پہنچ گیا یا نہیں؟ تو تعلیم کے بارے
 میں فرمایا دیے کہ مالم تکتون تعلمون اور تمہیں وہ تعلیم دیتا ہے اس
 کی جو تم نہیں جانتے تھے اور ہدایت کے بارے میں فرمایا۔ وانك
 لتهدى الى صراط مستقيم۔ (اور آپ اسے پیغمبر البتہ ہدایت کرتے
 ہیں سیدھے راستہ کی) اور ہر بیان کے بارے میں فرمایا۔

وانزلنا آیتک الذی یشہد للناس ما نزل الیہم (اور ہم نے اسے پیغمبران
کی طرف یہ ذکر (قرآن) اتارا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس چیز کو کھول
کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے) غرض جو تلاوہ تعلیم
بیان اور ہدایت اللہ سے رسول کی طرف آئی تھی بعینہ اسی کار رسول سے
امت کی طرف آنا بھی ثابت ہو گیا اور خوب خوب نمایاں ہو گیا کہ قرآن
کیساتھ ابتدائے نزول قرآن سے بیان لازم رہا ہے کیونکہ بلا بیان
کے قرآن لفظ محض ہو گا جس کی مرادات اور مطالب کی تئیں و
تشخیص لوگوں کو اپنی ہوگی جو محض ظنی اور قیاسی رہ جائے گی۔ اس
لئے تلاوہ و قرآن کیساتھ تعلیم و ہدایت اور بیان کی ذمہ داری خود صاف
قرآن نے لی۔ جس نے صاف واضح ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی منزل
من اللہ ہیں اور معانی و مرادات بھی منزل من اللہ ہیں جن کے اظہار
کا نام بیان ہے۔ اسلئے قرآن کے بارے میں اولین قاری حق
تعالیٰ نے اپنے کو فرمایا جیسا کہ فاذا قرأتہ استمع لہ ورنہ فاذا
قرأتہ فرمایا جاتا۔ اسی طرح بیان کے بارے میں اولین مبین اور
اور مفسر قرآن بھی خود اپنے ہی کو فرمایا جیسا کہ ثم ان علینا بیانہ
ظاہر ہے۔ ورنہ ثم ان علیہ بیانہ فرمایا جاتا پس اپنے ہی کو
قاری اول اور اپنے ہی کو مبین اول فرما کر گویا اس کا دعویٰ

فرمایا کہ الفاظِ قرآن ہوں یا مطالبِ قرآن یعنی بیانِ دونوں ہمارے ہی نازل کردہ ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی رسول کی اشاء یا ایجاد کو دخل نہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں نہ لفظ بلا معنی مراد کے کارآمد ہیں اور نہ مراد بلا مقررہ الفاظ کے تعبیر میں آسکتی ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر جہاں بھی نزولِ قرآن کا ذکر ہوگا وہاں نزولِ بیان بھی ساتھ ساتھ مراد لینا ضروری ہوگا کہ بغیر نزولِ معنی کے نزولِ الفاظ بے معنی ہے۔ ایسے ہی جہاں بھی حفاظتِ قرآن کا ذکر ہوگا وہاں یہ بیانِ قرآن بھی اس حفاظت میں شامل رکھا جانا ضروری ہوگا کہ بغیر حفاظتِ بیان کے قرآن کے الفاظ کی حفاظت بے معنی ہوگی۔ پس جبکہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

انما نحن منزلنا الذکر ہم ہمارے ذکر (قرآن) اتارا۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ ہم نے صرف الفاظِ قرآن بلا معنی مراد کے اتار دیئے۔ یا معانی بلا الفاظ کے نازل کر دیئے۔ بلکہ یہی اور صرف یہی مطلب لیا جائے گا کہ پورا قرآن یعنی الفاظ و معانی کا قرآن اتارا جس کے الفاظ بھی ہمارے ہی تھے اور معانی بھی ہمارے کیونکہ ہم نے ہی اُسے پڑھ کر رسول کو سنایا اور قرآنہ الفاظ کی ہوتی ہے۔ اور ہم نے ہی بیان دے کر رسول کو سمجھایا اور سمجھاتا معانی مراد کا

ہوتا ہے۔ غرض یہاں ذکر سے قرآن مع بیان مراد ہوا۔ پس کہ وہ دونوں نازل کردہ ہیں۔ اسی طرح جبکہ اس آیت کے اگلے ٹکڑے میں قرآن کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

وَآتَاہُ الْكِتَابَ وَتُورًا وَنَبِيًّا
اور ہم ہی اس قرآن کے محافظ ہیں۔

جس میں نہ کی ضمیر اسی ذکر کی طرف راجع ہے جس کے معنی قرآن مع بیان کے تھے تو یہاں حفاظت کے دائرہ میں بھی وہی قرآن مع بیان ہی مراد لیا جانا ضروری ہوگا اور محافظت کا تعلق دونوں ہی سے ماننا پڑے گا کہ قرآن اور اس کے بیان کے ہم ہی محافظ ہیں۔ ورنہ یہ حفاظت مکمل نہ رہے گی بلکہ ادھوری اور ناقص رہ جائے گی حالانکہ آیت میں لفظون مطلق لایا گیا ہے جس سے اصول عربیت کے مطابق حفاظت کا فرد کامل مراد لیا جانا ضروری ہے اور حفاظت کا ملہ وہی ہے جو لفظ و معنی اور قرآن و بیان دونوں کو شامل ہو جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے۔ اس لئے آیت کے دعویٰ کا حاصل یہ نکلا کہ ہم ہی قرآن کے لفظوں کے بھی محافظ ہیں اور ہم اُس کے معنی اور بیان کے بھی محافظ ہیں ورنہ اس کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے کہ وہ اس کے الفاظ کے تو محافظ ہوں اور معانی کے نہیں۔ درحالیکہ الفاظ کا مقصد معنی ہوتے ہیں جب مقصد ہی محفوظ نہ رہا تو وسائل محضہ کے محفوظ رہنے سے

فائدہ ہی کیا ہوا؟ ایسے ہی یہ بھی مطلب نہیں ہو سکتا کہ ہم اُس کے معنی کے تو محافظ ہیں لفظوں کے نہیں درحالیکہ تعبیرات گم ہو جائیں تو معانی کی طرف رہنمائی ممکن نہیں کیونکہ بغیر الفاظ کے معانی موجود ہی نہیں رہ سکتے۔ چہ جائیکہ محفوظ رہیں۔ ہاں یہ صورت اس وقت بن سکتی تھی کہ لحاظوں کو لفظ یا معنی کیساتھ مقید کر کے لایا جاتا تو جس کی قیہ لگی ہوتی۔ صرف اُسی کی حفاظت مراد ہوتی۔ لیکن مطلق لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ لفظ و معانی دونوں ہی اس حفاظت کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ بہر حال لفظ و معنی اور قرارۃ و بیان میں سے ایک بھی گم ہو جائے تو ذکر کی حفاظت باقی نہیں رہ سکتی۔ جس کا دعویٰ کیا جا رہا ہے بلکہ ذکر ہی سرے سے باقی نہیں رہے گا چہ جائیکہ وہ محفوظ رہے۔

پھر جیسا کہ لحاظوں کا کلام اپنے مشمولات کی رو سے مطلق ہے جس میں لفظ محض یا معنی	وہی حفاظت اس قرآن و بیان کی تاقیہ قائم رہے
---	--

محض مراد نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں ہی کو شامل ہو گا۔ ایسے ہی یہ کلمہ (لحافظوں) زمانوں کے لحاظ سے

بھی مطلق ہے جس میں کسی زمانہ کی قید لگی ہوئی نہیں ہے کہ چغتائے
 لفظ و معنی صرف ماضی کی حد تک تھی یا صرف مستقبل اور حال کے
 لئے ہے بلکہ ہر زمانہ اس کے اطلاق کے نیچے داخل ہے اور حال
 یہ ہے کہ ہم ماضی و حال اور مستقبل ہر زمانہ میں اس کے محافظین
 اندر میں صورت کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس حفاظت کو زمانہ نبوی یا
 زمانہ صحابہ کیساتھ مقید کر دے ورنہ کلام خداوندی کے اطلاق کی قید
 لازم آئے گی جو تبدیل و تحریف کے ہم معنی ہے اس لئے اس حفاظت
 الہی کا دوام بھی اسی آیت سے ثابت ہو رہا ہے۔ بہر حال قرآن کے لفظ و
 معنی کی جو حفاظت خداوندی قرآن و بیان کے ذریعہ حسب دلالت علینا جمعہ
 اور علینا میاتھ رسول کی ذات کی حد تک ثابت ہوئی تھی وہی
 حفاظت الہی اس قرآن و بیان کی امت کی حد تک اور وہ بھی تا ایام
 قیامت اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گئی۔ خواہ اس کا طریقہ محض نقل
 و روایت ہو یا خط و کتابت سو رسول کی حد تک تو یہ قرآن و بیان بصورت
 الہام خداوندی روایت باطنی کے طور پر محفوظ رہا اور امت کی حد تک
 بصورت نقل و روایت ظاہری یا تحریر و کتابت کے طور پر محفوظ رکھا
 گیا۔ اس لئے اس بیان قرآن یعنی حدیث کا تحفظ من جانب اللہ
 اللہ سے رسول تک اور رسول سے امت تک اور وہ بھی تا قیامت

قرآن سے ثابت ہو گیا۔ قلید الحمد

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اسلام آخری اور دائمی دین ہے اور قرآن آخری و دائمی کتاب ہے تو یہ آیت حفاظت اور اس کا دعوائے حفاظت بھی دوامی اور قیامت تک ہونا چاہیئے۔ ورنہ قرآن کے ایک جز کے بھی دوامی نہ رہنے سے قرآن دائمی نہ رہے گا۔ اور جبکہ اللہ کا یہ دعوائے حفاظت قرآن و بیان دائمی مانا جائے تو فعل حفاظت بھی دوامی ہی ماننا پڑے گا ورنہ اللہ کے دعوائے حفاظت کا غیر واقعی ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے اس حفاظت قرآن و بیان کا قیام قیامت تک وقوع میں آتا رہنا ضروری ہو گا جس سے پوری امت کی حد تک قرآن اور اس کے بیان یعنی حدیث کا قیامت تک محفوظ من اللہ ہونا خود اس آیت کی دلالت سے ہی ثابت ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جیسے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام کے الفاظ و مرادات کو اپنی حفاظت کیساتھ سینہ نبوت میں اتار کر جمع اور محفوظ کر دیا تھا ایسے ہی اُس کے رسول نے بھی اسی حفاظت خداوندی کی مدد سے قرآن و بیان کو سینہ امت میں منتقل فرمادیا اور اس طرح قرآن و حدیث بحفاظت الہی قیامت تک کی امت تک تمام و کمال

پہنچ گئے یا فرق امتا ہے کہ خدا سے نبی تک قرآن و بیان بلا توسط
 اسباب محض باطنی رشتوں سے منتقل ہوا۔ اور رسول سے امت تک
 کھلے طور پر توسط اسباب منتقل ہوتے رہنے کا راستہ ہوا رہا چنانچہ
 جس طرح حفظ قرآن کے ذریعہ قرآن کے الفاظ کی حفاظت کرائی گئی کہ
 تو اتر طبقہ کے ساتھ قرآن کی روایت کی جاتی رہی اور کی جاتی رہے گی
 اور وہ ہر قرن میں لاکھوں سینوں کی امانت بنارہا اور بنارہے
 گا ایسے ہی حفاظ حدیث کے ذریعہ حدیث یعنی اس بیان قرآن
 کی حفاظت کرائی گئی کہ حفاظت خداوندی نے انہیں مجر العقول
 حافظے عنایت کئے۔ انہوں نے اعجازی طور پر حدیث کے متنوں
 اور اسانید کو سلف سے خلف تک فنی طور پر پہنچایا جو دیانتاً
 ہی نہیں قانوناً بھی قابل رد یا ناقابل قبول نہیں ہو سکتیں اور حدیث
 لاکھوں سینوں کی امانت بن گئی۔ پھر جس طرح مفسرین نے قرآنی علم
 کی حفاظت کے لئے سینکڑوں مستقل علوم و فنون وضع کئے جن کا نام
 تک بتلانے کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئیں جیسے الاتقان فی علوم
 القرآن علامہ سیوطی کی یا جواہر القرآن غزالی کی وغیرہ جس سے
 قرآنی علوم کی انواع کھلیں اور قرآن اپنی ایک ایک لفظی اور معنوی حیثیت
 سے محفوظ ہو گیا جس کی بدولت حفاظت کنندے

ایک طبقہ نے اس کے الفاظ کی حفاظت کی جو لفظ کہلائے جو ہر
قرن میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں رہے اور ہیں۔

ایک طبقہ نے اس کے اعراب کی حفاظت کی اور زیر و زبر
لگائے تاکہ حفاظ کی حفاظت الفاظ یا قضا بطلہ رہے۔ اس کے حروف
کلمات رکوع اور سورتیں سب گن گن کر رکھیں اور کمال ضبط و
حفظ گن کر محفوظ کر دیں۔

ایک طبقہ نے اس کے طرز ادا کی حفاظت کی جو قراء و
مجوہرین کہلائے۔

ایک طبقہ نے اس کے طرز کتابت کی حفاظت کی جو علماء
رسم الخط کہلائے۔

ایک طبقہ نے اس کے لغات و محاورات کا تحفظ کیا جو علماء
مفردات کہلائے۔

پھر اس کے بیان کی روشنی میں جس کا نام سنت اور اسوۂ حسنہ
خواہ قولی ہو یا فعلی معانی کی مختلف جہات کا تحفظ مختلف طبقات
نے اپنے ذمہ لیا اور ان حفاظتوں کو مختلف علوم و فنون کی حیثیت
دی۔

ایک طبقہ نے تفسیر باللغۃ کی اور اس کی وجوہ فصاحت و بلاغت

کو واضح کیا جو علماء عربیت کہلاتے۔

ایک طبقہ نے تفسیر بالروایت کی جوابل الاثر کے نام سے
موسوم ہوئے۔

ایک طبقہ نے اس کی جزئیات مستنبطہ کی حفاظت کی جو
فقہا کہلاتے۔

ایک طبقہ نے درایت سے اسکے عقلی پہلوؤں کو واضح کیا
جو علماء اسلام اور اہل کلام کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اس کی کلیات و جزئیات میں سے علل احکام
کا استخراج کر کے اُسے لا اور قانون کی صورت میں پیش کیا جو ائمہ
ہدایت اور مجتہدین کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اس کے مواعظ و حکم اور امثال و عبر کی نگہداشت
کی جو خطباء کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اس کے وقائع اور قصص کی بتیین اور تفصیل کی
جو مورخین کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اُس کے جزئی معانی سے اصول و کلیات کا استنباط
کیا جن سے اُس کے علوم کا انضباط ہوا اور وہ مفکرین امت کہلاتے۔
ایک طبقہ نے اس سے مسائل استخراج کرنے کے لئے وجوہ استخراج منضبط

کئے اور انکی جامع اصطلاحات فاسخ و منسوخ محکم و متشابہ خاص و عام مطلق و مقید عبارت و دلالت اقتضاء و اشارۃ مجمل و مفسر وغیرہ وضع کیں جو علماء اصول کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اس سے اقوام عالم کی ذہنیات و فطرتوں اور ان کے عروج و زوال کے سیاسی اصول منضبط کئے جو علماء اداۃ کہلاتے۔
ایک طبقہ نے اُس سے باطنی علوم و حقائق نفسیات کے انقلابی طرق اور شہود و انکشاف قواعد نکال کر ان کی حفاظت کی جو عرفاء کہلاتے۔
غرض قرآن حکیم کی لفظی اور معنوی جہت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسکی حیرت انگیز حفاظت نہ کی گئی ہو اور وہ بھی اس شان سے کہ کوئی طریق حفاظت اختراعی نہیں بلکہ استنباطی ہے جو قرآن اور بیان قرآن سے ماخوذ اور ہر علم و فن کے اصول کے لئے احادیث و آیات سے شواہد موجود چنانچہ ان علوم میں سے جس علم کو بھی اٹھا کر دیکھا جائے وہ کسی نہ کسی آیت یا روایت کی تفسیر نظر آتا ہے جس کے مسائل کیلئے کسی نہ کسی آیت اور حدیث سے شاہد عدل پیش کر دیا گیا ہے۔ گویا قرآن کے ان علوم کی طرف سنت نے رہنمائی کی نہ کہ ان علماء کی طبائع یا عقول محض نے اور اگر کہیں عقل صافی سے بھی کام لیا گیا ہے تو اُسے نور سنت سے مستنیر بنا کر ہی قابل التفات سمجھا گیا ہے جس سے دنیا آج تک

انگشت بندہاں ہے دلو کہہ الکافرون۔

پھر جس طرح
امت کے
ہاتھوں کلام
خداوندی

حدیث کی حفاظت امت کے ہاتھوں
اور اس کے مختلف ادوار!

کی حفاظت من جانب اللہ کرائی گئی بعینہ اسی طرح بیان قرآن یعنی حدیث کی حفاظت کے لئے بھی حق تعالیٰ نے امت مرحومہ کو موفق فرمایا اور اس امت نے جس طرح تحفظ کتاب میں حیرت انگیز سعی کر کے دکھائی اس سے کہیں زیادہ سنت کے تحفظ میں سرگرمی کا حق ادا کیا۔ اور وہ کچھ کر دکھایا جو دنیا کی کوئی قوم اپنی کسی سماجی کتاب کی ساتھ بھی نہیں کر سکی۔ فرق صرف یہ تھا کہ کلام الہی کی وحی چونکہ بلفظہ نازل ہوئی تھی اس لئے وہاں الفاظ کا تحفظ بھی لازمی تھا کہ وحی ہی کلامی تھی اور معجزہ ہی کلام کا تھا۔ مگر اس وحی غیر متلو (سنت) میں معانی و مضامین تو من اللہ تھے مگر الفاظ منسّزل من اللہ نہ تھے اس لئے یہاں تحفظ الفاظ بجنسہ ضروری نہ تھا بلکہ روایت بالمعنی کی بھی اجازت تھی اس لئے امت نے نفس مضمون وحی کی حفاظت پر پورا زور صرف کر دیا گو اس کے

ساتھ الفاظ کو محفوظ رکھنے کی بھی انتہائی جدوجہد کی چٹانچہ ہر حدیث کے الفاظ یا بعینہ محفوظ ہیں یا ایسے متقارب ہیں کہ قریب بعینہ کے ہیں۔ بہر حال حدیث کی غیر معمولی حفاظت من اللہ ہوئی جس کے انداز مختلف ہوئے۔

ابتداءً حفظ حدیث کا دور آیا جو دور صحابہ ہے اس وقت زیادہ تر حدیث سببوں کی امانت رہی گو اسی زمانہ میں کتابت حدیث بھی جاری ہو چکی تھی جیسا کہ متعدد روایات میں اس کی تصریحات موجود ہیں تاہم غلبہ حفظ ہی کا تھا۔ اور صحابہ نے کمال تدبیر و احتیاط سے اس وعدہ خداوندی کو حافظہ کی مدد سے پورا کر لیا کہ ہمارے ہی ذمہ قرآن اُٹھے بیان کی بھی حفاظت ہے۔ گویا یہ وعدہ انہی سے کیا جا رہا تھا پھر تدوین حدیث کا دور آیا جو تابعین سے شروع ہوتا ہے اور ممالک اسلامیہ کے مختلف اطراف و جوانب سے حفاظت حدیث نے کتابت حدیث کر کے حدیث کی تدوین کی۔

پھر تفرید حدیث کا دور آیا جس میں تنقیح کے ساتھ آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے حدیث کو الگ کر کے جمع کیا گیا۔
پھر تنقید حدیث کا دور آیا جب کہ وضاعین حدیث یعنی

منکرین حدیث بصورتِ مقررین حدیث بھی کھڑے ہو گئے اور اصحاب
صحاح کا وقت شروع ہو گیا جنہوں نے حدیثوں کو نکھار نکھار
کر صحیح کو ضعیف سے اصل کو موضوع سے الگ کیا اور اس لئے اسناد
پر زور دیا جانے لگا تاکہ اس کی رو سے حدیث و خبر کے اعتبار
و عدم اعتبار کا فیصلہ کیا جائے اور سند صفاتِ سند اور عددِ رواۃ
کے معیار سے حدیثوں کی قسمیں کی گئیں جیسا کہ قرآن ہی نے اُس کی
بنیاد رکھ کر اصول قائم کر دیئے تھے جن کی تفصیل گذر چکی پھر اُن کے
اصطلاحی نام تجویز ہوئے۔ اور اُمت نے اپنی ذکاوت اور علمی
فراست کا ثبوت دیتے ہوئے حدیث کو فنی طور پر محفوظ کیا۔

بہر حال
حدیث

اپنے عہد
طفولیت

سے چلکر

قرن اول

حدیث کی حفاظت فنی طور پر

ہوئی اور اس سے مستقل علوم

و فنون بنے

میں محفوظ ہوئی قرن ثانی میں مدون ہوئی قرن ثالث میں
منقح ہو کر آثارِ صحابہ سے الگ ہوئی پھر قرن رابع میں تنقید

کے ساتھ نکھر کر منضبط ہوئی۔ اور پھر قرون مابعد میں مختلف ابواب
 پر منقسم ہو کر مرتب ہوئی۔ اور بالآخر اُسے فنی طور پر محفوظ کر دینے کیلئے
 امت نے علم حدیث کے سلسلہ میں تقریباً بیاسی علوم و فنون وضع
 کئے اور فن روایت کو ہر سمت اور ہر جہت سے ایسے محیر العقول
 طریقہ سے محفوظ کیا کہ اُس کا لیکٹ ایک گوشہ ایک
 ایکٹ علم بن گیا جس پر ہزاروں کتابیں تصنیف
 ہوئیں جس سے علوم حدیث مثل متن حدیث
 سند حدیث۔ اقسام حدیث۔ غریب الحدیث
 مصطلحات الحدیث۔ علل حدیث۔ مطاعن حدیث اور اسماء
 الرجال وغیرہ کے مستقل علوم و فنون کی صورت اختیار کر لی۔
 اور حدیث کے طفیل میں کتنے ہی اہم ترین فنون روایت منظم
 پر آگئے جس سے حدیث کی حفاظت محض لوگوں کے حافظے
 یا شخصی مناسبت و سعی پر معلق نہ رہی بلکہ اصول و قواعد فن۔
 قوانین و آئین اور وجوہ و دلائل کی قوت سے باضابطہ بھی اس
 کا تحفظ وجود میں آگیا جس کے حیسرت ٹاکٹ
 کارنامے تاریخ کی زمینت اور ملت کی عظمت بنے ہوئے
 ہیں۔ ولو کراہ الملئکرون۔

حفاظت قرآن و حدیث کا کوشش اور محافظ افراد کی مسلسل آمد کا وعدہ

پھر جس طرح
قرآن و بیان
کے بارے میں
حفاظت خداوندی

نے یہ عظیم کوشش دکھلایا کہ امت میں حفاظ قرآن اور حفاظ حدیث نیز علمائے قرآن اور علمائے حدیث کو کھڑا کیا جو اس کے لفظ و معنی اور قرائت و بیان کی حفاظت کریں۔ اسی طرح ایسے محافظ افراد کے قیامت تک کھڑے ہوتے رہنے کا اپنے سچے وعدوں سے اطمینان بھی دلایا کہ امت میں ایک طائفہ حقہ برابر قائم رہے گا جو منصورین اللہ ہوگا۔ مخالفت کرنے والے اُسے ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور رسوا کرنے والے اُسے رسوا نہ کر سکیں گے۔ پھر یہ بھی وعدہ دے دیا کہ ہر دور میں سلف کے بعد خلف صالح پیدا ہوتے رہیں گے جو غالیوں کی تحریفوں۔ دروغ باف منکروں کی دروغ بافیوں اور جہلاء کی رکیک تاویلوں کی قلعی کھولتے رہیں گے۔ نیز یہ بھی اطمینان دلایا کہ اس سب کے باوجود پھر بھی اگر فحشی اور منکار لوگ قرآن یا بیان قرآن کے بارے میں اپنی چرب زبانوں اور جمل سازوں سے عام قلوب کے لئے کچھ تلبیس یا التباس کا سامان پیدا کر بھی دیں گے تو ہر صدی پر مجدداً کر دین کو پھر از سر نو

بکھارتے رہیں گے۔

اور اس سے بڑھ کر حفاظت

انواع منکرین کی من وعن خبر دیدی گئی

الہی کا ایک دوسرا عظیم کرم یہ بھی نمایاں ہوا کہ اس حفاظت الہی میں خلل ڈالنے والے رختہ اندازوں کی انواع، ان کے جبل و فریب کی صورتوں اور ان کے ناپاک ارادوں کی من وعن خبریں بھی دے دی گئیں۔ تاکہ اُمت کے اہل حق ہوشیار رہیں اور ان مکاروں کی چالاکیاں ایک طرف کارروائی کر کے اُمت کو گمراہی کا شکار نہ بنا سکیں۔

وضائعین | چنانچہ حدیث نبوی میں مختلف قسم کے منکرین حدیث کی خبر دی گئی کہ وہ مختلف صورتوں اور مختلف

اندازوں سے حدیث رسول کا اعتبار ختم کرنے کی ناپاک سعی کو نیگے ایک طبقہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ وضائعین حدیث کی صورت میں نمایاں ہوگا جو وضع حدیث کے پیرایہ میں حدیث کو بے اعتبار ثابت کر کے گویا اُس سے انکار کی دعوت دیگا۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فی آخر الزماں وحالون کذابون

آخر زمانہ میں ایسے دجال و کذاب۔

اچھوٹے اور جھلساتے پیدا ہوں گے۔

تو نكح من الاخوانيت ما لم تسمعوا
 انتم ولا آباءكم فاياكم وایاھم
 لا یضلونكم ولا یفتنونكم
 (رواۃ مسلم)

تمہارے سامنے ایسی حدیثیں (گھر گھر کر)
 بیان کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوئی
 نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ دیکھو ان سے
 بچتے رہنا کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ اور
 مبتلائے فتنہ و فساد نہ بنادیں۔

پس یہ تو ان لوگوں کی اطلاع تھی جنہوں نے حدیث اور بیان قرآن
 کو معتبر نہ کر بلکہ اس سے عقیدت کا اظہار کر کے عیاری سے جعلی حدیثیں
 گھڑیں اور اصلی حدیثوں میں رلاملا کر شائع کیں تاکہ اصلی حدیث کا
 اعتبار اٹھ جائے۔ گویا اقرار کے پیرایہ میں انکار حدیث کیا۔

منکرین
 پھر ایسے لوگوں کے وجود کی بھی حضور نے خبر دی
 جو کھلے بندوں حدیث کا انکار کر کے اُسے بے اعتبار

بنانا اور مٹا دینا چاہیں گے اور اس عیاری کیسا اٹھ کہ قرآن کا نام
 لیکر قرآن کی رو سے اس بیان قرآن کو ختم کر دینا چاہیں گے۔

عن المقدام بن معدیکرب قال
 قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سلھا الاخی او تیت القرآن ومثلہ
 معہ الا یوشک من اجل شیعائہ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرود
 رہو کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس
 کے ساتھ اُسی کا مثل اور بھی دیا گیا ہے
 (حدیث) آگاہ رہو کہ ایک پیٹ بھرا

علیٰ ائمتہ یقول علیکم بهذا القرآن
 فما وجد تعرفیه من حلال فاحلوه
 وما وجد تعرفیه من حرام فحرّموا
 وان ما حرم رسول اللہ کما حرم
 اللہ لا یحل لکم المحرمات الاہلی
 ولا کل ذی ناب من السباع ولا
 تقطع معاہد الا ان یتغنی
 عنہا صاحبہا الخ۔

(رواۃ ابوداؤد)

دانت والے درندے تمہارے لئے حلال
 نہیں کسی معاہدہ کی گری پڑی جزیرہ تمہارے
 لئے حلال نہیں۔ الا یہ کہ تمہاری اطلاع
 کے بعد وہ خود ہی اس سے دستبردار ہو جائے
 وغیرہ۔

اس حدیث نے فتنہ انکار حدیث کا منشاء بھی بتلادیا کہ وہ منکروں کی شیعہ
 سیری اور پیٹ بھرے ہونے کا کرشمہ ہو گا دنیا کی طرف سے بے فکری ہوگی
 تو دین پر ہاتھ صاف کر نیکی سوچے گی۔

ہرگز نہیں۔ بات اس یہ ہے کہ انسان

کلا ان الاضمان لیطلى ان

سراکہ استغنی، سرکش ہو جانا ہے اور دین کو حقارت سے
 ٹھکرا دیتا ہے۔ جب اپنے آپ کو مال و
 دولت کی وجہ سے مستغنی دیکھتا ہے (جیسا
 کہ امم سابقہ اور خود اس امت کا اس
 بارے میں یہی دیرہ رہا ہے۔

پس غور کیا جائے تو وضاعین حدیث و واقف کے نقش قدم پر ہیں جنہوں
 نے قرآن کو تحریف بتلانے کیلئے ہزاروں حدیثیں وضع کیں اور منکرین حدیث
 خوارج کے نقش قدم پر ہیں جنہوں نے قرآن کا نام لیکر احادیث کو بے اعتبار
 ٹھہرایا۔

یہ تو وہ طبقات تھے جنہوں نے برملا انکار حدیث
 یا تحریف الفاظ حدیث کا فتنہ امت میں پھیلا دیا ہے

محرفین

طباقوں کی خبر بھی دی گئی ہے جو الفاظ حدیث کو مان کر اس کی معنویت میں
 تحریف کے مرتکب ہونے والے تھے چنانچہ احادیث میں ان تحریف معنوی
 کرنے والوں کی اطلاع بھی موجود ہے جو قرآن و حدیث کو ثابت مان کر
 پھر اس سے آزاد بلکہ اُس پر اپنی عقل کو حکمراں سمجھیں گے اور معانی قرآن
 و حدیث میں عقل محض اور رائے مجرد سے معنوی تحریف کر کے ان کا نقشہ
 بدل دینے کی کوشش کریں گے جس سے امت میں مستقل گروہ بندی کی نوپیدا

ہو جائے گی۔ فرمایا گیا۔

تفرقت الیہود علی احد وسبعین
فرقة وتفرقت النصارى علی ثنتين
وسبعین فرقة وستفرق امتی
علی ثلث وسبعین فرقة کلھا فی النار
بٹ گئے یہود اکثر فرقوں پر اور بٹ
گئے نصاریٰ بہتر فرقوں پر اور بٹ جاوے
گی میری امت بہتر فرقوں پر سوائے ایک
فرقہ کے سب جہنمی ہوں گے۔
الواحدة۔

یہ گروہ بندی قرآن و حدیث کے انکار کے نام پر نہیں بلکہ اقرار کے نام پر
ہوئی اور امت میں اصولاً بہتر فرقے بن گئے۔ یہ وہی معنوی تحریف ہے
جو یہود و نصاریٰ کا دھیرہ تھا۔ جس سے ان میں بہتر فرقے پیدا ہو گئے تھے
اور رفتہ رفتہ توراۃ و انجیل کا اصل علم گم ہو گیا۔

یحنون الکھوان مواضعہ و نسوا
خطا ما ذکرہ اب
کلمات (دین) کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں
اور نصیحتوں سے جو یاد کرایا گیا تھا اُسے
بھلا بیٹھے ہیں۔

بہر حال جس طرح قرآن و حدیث کی حفاظت کی خبر دیتے ہوئے مخالفین
کی انواع پر مطلع کیا گیا کہ کوئی مجدد ہوگا کوئی خلیفہ عادل کوئی منصوبہ علی الحق
وغیرہ ایسے ہی اس حفاظت الہی میں خلل ڈالنے والے عاشقوں، چوروں
اور ڈکیتوں کی انواع پر بھی مطلع کر دیا گیا کہ ان میں سے کوئی دجال ہوگا۔

کوئی کذاب ہوگا اور کوئی پیٹ کا گدھا اور شعبان ہوگا غرض کوئی بیان قرآن کے الفاظ کا منکر ہوگا کوئی اس کے معنی کا انکار کرے گا۔ کوئی اس کی حجیت سے دستکش ہوگا کوئی اس کی تاریخی حیثیت پر طعنہ زن ہوگا اور کوئی سرے سے قرآن ہی کو جعلی دستاویز بتلا کر اس دین سے لوگوں کو بیزار بنانے کی ہم سرا انجام دیکھا۔ غرض کچھ قرآن کے منکر ہوں گے اور کچھ بیان قرآن کے۔ چنانچہ لفظ و معنی اور اصول و قواعد کے ایک ایک گوشے سے ان دجالین و کذابین نے حدیث و قرآن کے راستے میں رہنری کی اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن کیساتھ اس کا بیان لازم ہے ورنہ خود قرآن ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ ان طبقات نے اپنی منہجوں اغراض کے ماتحت قرآن کو مٹانے کے لئے اس کے بیان کا مختلف روپوں میں انکار کیا۔ لیکن علمائے اُمت اور محدثین شکر اللہ مساعیہم نے فنی طور پر جن اصول سے حفاظت حدیث کا فریضہ انجام دے کر حفاظت قرآن کا کام کیا انہی اصول سے منکروں کی ان ناپاک ماعی کے پرچے اڑادیئے جو انکار حدیث کے سلسلہ میں کی گئیں اور ان کی وسیعہ کاریوں کو حجت و برہان سے پا مال کر کے رکھ دیا

بہر حال اس سلسلہ میں اس حفاظت خداوندی پر قربان ہو جائے کہ جہاں قرآن و حدیث کے تحفظ کے یہ وسائل اور جوارح الہی (صفا و

محدثین، پیدا کئے جنہوں نے حدیث و قرآن کو محفوظ کیا۔ وہیں دشمنانِ حدیث و قرآن اور ان کی چالاکیوں اور انکارِ حدیث کے مختلف روپوں کی بھی پہلے ہی سے خبریں دے دیں تاکہ خدا ہم قرآن و حدیث ان کے مکرو و فریب پر مطلع رہیں اور ان کے دجل و فریب اور کذب و افتراء کے جال میں پھنسنے نہ پائیں۔ یعنی قرآن و حدیث کی حفاظت خداوندی کا یہ بھی ایک مستقل شعبہ تھا کہ ان دینی بنیادوں کے چالاک دشمنوں کی اطلاع دے کر دوستوں کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا جائے۔

تاہم جس طرح حکومت ملک کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے پولیس متعین کرتی ہے۔ کروڑوں روپیہ کا بجٹ

منکرین قرآن و حدیث اور حکمتِ خداوندی

منظور کرتی ہے اور تعزیرات کے ذریعہ سے چوروں، ڈکیتوں اور ملک میں برامنی پھیلانے والوں کی سزاؤں کا اعلان کرتی ہے لیکن اس کے باوجود چور ڈکیت اور رہزن پھر بھی باز نہیں آتے اور اپنی شقاوت باطنی سے قانون کی خلاف ورزیوں کی راہ چل کر رہتے ہیں۔ جیل بھی بھگتتے ہیں۔ سزائیں بھی پاتے ہیں۔ پیٹے بھی جاتے ہیں لیکن رات دن کے جرائم کی عادت کی وجہ سے ان کی عبرت کی آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں

نہ وہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اور اپنے جرائم کے کام میں مستعد رہتے ہیں پس
 علوم اپنے کام (حفاظت ملک) میں لگی رہتی ہے اور یہ جرائم پیشہ طبقہ
 اپنے کام (چوری، دہشتی اور امن سوزی) میں لگا رہتا ہے۔ اسی طرح
 سرکار خداوندی نے قرآن و حدیث کی حفاظت کی گارنٹی بھی ملی اس کے
 لئے محافظین کی پولیس یعنی حفاظ و محدثین بھی مقرر کئے۔ غیب سے ان
 کے روزینے بھی مقرر کئے۔ ان کی مدد کا وعدہ بھی کیا اور حسب وعدہ
 مدد برابر آ بھی رہی ہے۔ رخنہ اندازوں کیلئے اعلان عام بھی ہو رہا
 ہے کہ جو بھی اس قرآن و بیان میں رخنہ اندازی کریگا اس کی سزا یہ اور
 یہ ہوگی لیکن اس کے باوجود جن کے قلوب میں شقاوت ازل ہی سے
 ودیعت کی گئی ہے اور جو انہی جرائم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ قرآن
 و حدیث کی تحریف سے نہ کبھی باز آئے۔ نہ آئیں گے کیونکہ کتاب و سنت میں
 ان ناجائز تصرفات و تحریفات کی عادت سے ان کی دیدہ عبرت پٹ چکی ہو
 انہیں حق نظر آ سکتا ہے نہ وہ اس کی آواز سن سکتے ہیں پس جس طرح سرکار
 خداوندی توسط علماء امت اپنے حفاظت کے کام میں لگی ہوئی ہے
 باوجودیکہ ان پر دلائل کی بار بھی پڑ رہی ہے وہ بار ہا دلائل حق کے
 گھبروں میں گھر کر بند بھی ہو جاتے ہیں عقل سلیم اور فتون روایت کی منقل
 صحیح کی طرف سے ان پر جوتیاں بھی پڑ رہی ہیں مگر انہیں روزی ہی انکار

حدیث - وضع حدیث - تحریف حدیث اور تمسخر حدیث کی دی گئی ہے جو انہیں بہر حال لینی ہے اور گمراہیوں کے ساتھ مخلوق کی رہنمائی کا کام کرتا ہے۔ پس جس حکمت الہی نے شیطان اور اس کی رختہ اندازیوں کو پیدا کر کے دین کی قوتوں کے کھولنے اور مضبوط بنانے کی راہ ڈالی اُسی حکمت نے منکرین قرآن اور منکران حدیث اور ان کی سیہ کاریوں کو پیدا کر کے قرآن و حدیث کی قوتوں کے در شکاف کرنے کی راہ پیدا کی ہے۔

خلق الله للحووب رجالاً ورجالاً لقصة و تحریف

مگر انجام کار نتیجہ یہ ہے کہ ان اشرار و فجار میں سے جس نے بھی دین حق کی ان دو بنیادوں قرآن و حدیث کی قوتوں کے در شکاف چاہا وہی اوندھے منہ گرا اور اس نے منہ کی کھائی یہ منکر طبقے اپنے اپنے محدود وقتوں میں ابھرے مگر ابھر کر گرے تو ایسے گرے کہ آج کوئی ان کے نقش قدم کا پتہ دینے والا بھی نہیں مگر قرآن و حدیث اپنی اسی آبِ تاب کیساتھ دنیا کے سامنے چمک رہے ہیں یہی صورت حال منکرین اور ارباب تمسخر و استہزاء کے سامنے بھی آنے والی ہے۔ فاناسمخ منکھ کما تمسخرون فسوف تعلمون۔

قرآن اور پیغمبر کی باہمی نسبت | بہر حال اس اُمت کو دو عظیم اور بے مثال نعمتیں

بطور ہدیہ خداوندی دے گئی ہیں ایک زندہ کتاب اور ایک زندہ بنی
اسلئے کوئی بھی بدیت یا بد فہم ان کے آڑے نہیں آسکتا۔ مردہ چیز کو جس
طرح جس کا جی چاہے اول بدل کر دے لیکن زندہ اور وہ بھی قوی و
میتین اور ذمہ بردار حفاظت کی چیز کو اول بدل کر دینا تو بجائے خود
ہے اس پر دھول اڑا کر کوئی اسے نگاہوں سے اوجھل بھی نہیں کر سکتا۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ باطل اس کے پاس نہیں آسکتا آگے
وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلُ مِنْ حَكِيمٍ سے نہ پیچھے سے وہ حکیم حمید کی طرف سے

اُترا ہوا (کلام) ہے۔

متزجمین قرآن کیلئے حدیث کی روشنی
اور اردو کے تراجم میں موضح قرآن کی
قرآن حکیم
اور اس کے
بیان کی حفاظت
کا یہ بھی ایک

عظیم شعبہ ہے کہ بیان قرآن (سنت) کی روشنی میں دانا یا ن سنت نے
قرآن کے تراجم کر کے دوسرے اہل قرآن بھی اس پر مطلع کیا تاکہ وہ دینا
کی ہر قوم میں پھیل جائے اور سہولت دنیا کی ہر قوم اُس سے استفادہ
کر سکے تاکہ وہ عالمگیر ہو کر عالم کی ہر قوم کے دلیں اُتر جائے اور اس طرح
اس کی عالمگیر حفاظت کا وعدہ خداوندی پورا ہو جائے۔ چنانچہ علمائے

اسلام قرآن کے مترجم کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور بکمال دیانت و امانت اور کمال صدق و فراست سے مستند علمائے ملت نے اُس کے ترجمے مختلف زبانوں میں کئے الامام شاہ ولی اللہ دہلوی نے فارسی زبان میں اُس کا ترجمہ کیا پھر اُن کے اخلاف رشید میں سے شاہ رفیع الدین صاحب نے دوسرا ترجمہ کیا اور پھر اُن کے خلف صالح حضرت شاہ عبد القادر نے اردو میں ترجمہ کیا جو پورا پورا تحت اللفظ ترجمہ اور بے مثل ترجمہ ہے گو یا قرآن کے ہر حرف اور ہر کلمہ کو اردو میں اس کی پوری کیفیت و اصلیت کے ساتھ منتقل فرما دینے کی سعی فرمائی حضرت شیخ الہند سیدنا و مرشدنا مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ محدث دیوبندی نے اس ترجمہ کے بارے میں اپنے استاد حضرت قاسم العلوم حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کا مقولہ نقل فرمایا کہ اگر قرآن اردو میں ناظر ہو تو اس کی عبارت یہی یا اس کے قریب قریب ہوتی جو حضرت شاہ عبد القادر کے ترجمے کی ہے۔ اس ترجمہ اور اُس سے متعلقہ تفسیری فوائد (موضع و شرآن) میں نقل و نقل ہونے کی وجہ سے کچھ لفظی و شرقی پڑتا گیا چنانچہ ترجمہ اور اس کی توضیح موضع القرآن کی تعبیرات میں کچھ فروق دیکھے گئے اس لئے ضرورت

تھی کہ اس ترجمہ و تفسیر کا کوئی قدیم سے قدیم نسخہ ہاتھ لگ جائے تو
ان تغیرات مابعد کی اصلاح کی صورت نکل آئے۔

مبارکباد کے مستحق ہیں عالیجناب محترم مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب
فاضل دیوبند جنہوں نے بکمال سعی و جانفشانی اس ترجمہ و توضیح کا قدیم
نسخہ حاصل کر کے اسے شائع کرنے کی ہمت فرمائی۔ کوئی شبہ نہیں کہ حفاظت
قرآن و حفاظت بیان کے سلسلے کیلئے حق تعالیٰ نے جن سعید افراد کو چنا ان
میں سے ممدوح کا نام بھی ازل سے اس فہرست میں شامل تھا جس کا آج ظہور
ہو گیا۔ اس لئے میں انھیں اور ان کے رفقاء کار کو اس غیبی انتخاب پر مبارکباد
دیتا ہوں اور ان کے حسب ارشاد مقدمہ کی یہ چند سطریں انکی خدمت میں
ارسال کرتا ہوں شاید کہ محافظین قرآن و بیان کی فہرست میں اس نالائق و ناکار
کا نام بھی شامل ہو جائے اور اوراق قرآنی کے ساتھ یہ سیہ اوراق بھی نہ تھی ہو کر کسی
روشنی کا مستحق بن سکے اور ساتھ ہی اس کے اغرہ و احباب اور رفقاء بھی اس
نعمت سے مستفید ہو جائیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

محمد رفیع غفرلہ

ادارہ علوم شرعیہ کی چند دیگر مطبوعات

عظیم الشان قرآن مجید مترجم بدو ترجمہ و محشی بدو حاشیہ
ولی اللہی خاندان کا قدیم خزینہ جدید اور تفصیلی قالب کیساتھ

۱۔ از شاہ عبدالقادر دہلوی رح

ترجمہ ۲۔ از شیخ الہند مولانا محمود الحسن رح

۱۔ تفسیر موضح قرآن از شاہ عبدالقادر دہلوی رح

تفاسیر بر حاشیہ ۲۔ تفسیر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح

نوٹ تفسیر موضح قرآن کو بعض ناشرین نے کانٹ چھانٹا اور غلط تصرف کے ساتھ طبع کیا تھا اور وہی نقل ہوتا گیا ادارہ نے ۱۳۱۳ھ کا قدیم نسخہ حاصل کر کے اس کے مطابق طباعت کرائی ہے اور شیخ الہند رح کا ترجمہ اور شیخ الاسلام حضرت عثمانی رح کی مکمل تفسیر شامل کر دی اس طرح یہ نسخہ نور علی نور ہو گیا ہے اور دو تراجم و تفاسیر کی دنیا میں اس قابل قدر پیش کش کو برکت خیاں کے علماء نے تراجم و تفاسیر میں یکتا تسلیم کیا ہے اس کے شروع میں ایک مقدمہ ضرورت حدیث پر شامل ہے جو علامہ قاری محمد حبیب صاحب نے خاص طور پر لکھا ہے سائز ۲۰ × ۲۶

جلد اول کلاتھ و پشتہ چرم حنا شدہ سنہری ڈائی سے مزین 20/-

جلد دوم کلاتھ بلا صا سنہری ڈائی سے مزین 17/-

نمونہ مفت طلب فرمائیں

شیر النعمان

امام اعظم ابو حنیفہ کی مستند ترین سوانح حیات

اول و دوم از شبلی نعمانی رح

اس کتاب میں امام اعظم رح کی زندگی کے حالات تفصیلی طور پر آگئے ہیں ہمارے ملک کی اکثریت امام ابو حنیفہ سے تقلید کی نسبت کے ساتھ دین کو سمجھتی ہے کس قدر بد نصیبی کی بات ہوگی کہ ہم مقلد تو امام اعظم رح کے ہوں اور ان کے علمی، عملی، اخلاقی، تمدنی، ثقافتی اور سیاسی کارناموں سے خبر میں علامہ شبلی نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں حضرت امام رح کی زندگی کے پہلوؤں نام و نسب و ولادت، حسن رشد تعلیم و تربیت، ان کے مشائخ و اساتذہ حدیث و روایات، مناظرات، ازبانت و طباعی، عہدہ قضا سے الکا کا قید و بند استقلال و دربار سے تعلقات کو اور دوسرے حصہ میں امام کی نصایف و دوران کا حافظ الحدیث ہونا فقہی مسائل میں امام موصوف کا مقام فقہ حنفی کا آسان و سہل اور اصول عقلی کے موافق ہونا فن حدیث پر تفصیلی بحث حضرت امام کا حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہ کرنا فقہ حنفی کی دوسرے ائمہ کی فقہوں پر ترجیح امام صاحب نامور اور ممتاز شاگردوں کے حالات کو مستند خوالوں اور عام فہم عبارتوں سے ایسے دل نشین طرز ادا اور موثر طریقہ پر جمع کر دیا ہے کہ دین کا ایک جامع نقشہ سامنے آ جاتا ہے اولہ نے اس کی کتابت و طباعت انہی اعلیٰ قسم کی کرائی ہے کہ اب تک اس کتاب کی چھپائی ایسی نہیں ہوئی الفاظ علی اور کھلے کھلے کا فائدہ عمدہ سفید سائز ۲۰ × ۲۶

۴۴ صفحہ جلد عمدہ رنگین و شاندار ڈسٹ کور۔ ہدیہ ۱۰ روپے نمونہ مفت طلب فرمائیں۔

الفاروق

یعنی خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے مکمل حالات اور انکی دورِ خلافت کی جامع تاریخ

(اول دوم از شبلی نعمانی ج)

اس کتاب میں فاضل مصنف نے نہایت غرق ریزی اور دماغ سوزی سے فاروق اعظم حضرت عمر ابن الخطابؓ کے مکمل و مفصل اور مستند حالات زندگی کو بیان کیا ہے جن کی ہر دور میں ہر مسلمان کو ضرورت رہتی ہے اور جن کو شیخ ہدایت بنائے بغیر دنیا کا کوئی فرمانروا عدل و انصاف کے ساتھ فرمانروائی نہیں کر سکتا غرضیکہ ایک مفلس و قلاش سے لے کر ایک با اختیار حاکم ملک سب ہی کے لئے فاروق اعظم رضی کی زندگی ایک نمونہ اور رحمت عالم جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کی تفسیر ہے جن پر عمل کرنے سے اخلاق و کردار میں سیرت اور زندگی میں فکر اور عمل میں وہ انقلاب پیدا ہو سکتا ہے جو امت مسلمہ کو بچہ جیات نو سے روشناس کر دے نیز اسی کتاب میں شام عراق مصر کی فتوحات کے واقعات دل نشین پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں کہ جن کے مطالعہ سے اسلام کی سیاسی اقدار پر بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی کی سیاست، تدبیر عدل اور عہد فاروقی کے طرز حکومت اور ترویج اسلام کے شاندار کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے ادارہ نے اس کتاب کی کتابت ایک بہترین خطاط سے کرائی ہے الفاروق کے اس ایڈیشن میں جو غیر معمولی خوبیاں آگئیں ہیں ادارہ کو اس پر فخر ہے۔

سائز ۲۶x۲۰ صفحات ۳۹۲ جلد عمدہ شاندار رنگین ڈسٹ کور۔ ہدیہ: سات روپے نمونہ مفت طلب فرمائیں

فضائل حج

مصنفہ

(شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مدظلہ)

اردو زبان میں حج پر بے شمار کتابیں شائع ہوئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتاب فضائل حج "جن خصوصیات و نعمات کی حامل ہے وہ کسی دوسری کتاب میں نہیں حج زیارت میں جیسی عاشقانہ کیفیات ہیں ان کتاب میں بھی ویسا ہی اثر آفریں اور رقت انگیز طرز ادب ہے اس کی طباعت میں خصوصیت کے اہتمام کیا گیا ہے الفاظ جلی اور الگ الگ کہ بڑی عمر کے آدمی بھی ہسانی پڑھ سکیں اس کتاب کی طباعت ہندوستان کے بہت سے اداروں سے کرائی گئی ہے مگر جس قدر اثر آفرینی اور افادیت کی وجہ سے یہ کتاب نادر روزگار ہے آج تک اس کی طباعت اس کے شایان شان نہیں ہوئی اس میں دس فصلیں ہیں۔

(۱) حج کی ترغیب (۲) حج نہ کرنے پر وعیدیں (۳) حج کے سفر میں جو مشقت ہے اس کے تحمل پر ثواب۔
(۴) حج کی حقیقت اور اس کی حکمتیں (۵) حج کے آداب (۶) مکہ معظمہ اور حج کے خاص موقعوں کی فضیلت (۷) عمرہ کا بیان (۸) مدینہ منورہ کی حاضری (۹) زیارت کے آداب اور زائرین کے چالیں قصے (۱۰) مدینہ منورہ کے فضائل پر نیز خاتمہ میں حج کرنے والے عشاق کی شہر حکایات تحریر ہیں۔

سائز ۲۶x۲۰ صفحات ۳۹۲ جلد عمدہ شاندار رنگین ڈسٹ کور ہدیہ سات روپے نمونہ مفت طلب فرمائیں

مسلمان عورت

عربی تصنیف از علامہ فرید وجدی مصری اردو ترجمہ از مولینا ابوالکلام آزاد مرحوم
پردہ کے موضوع پر ایک قابل قدر پیش کش -

مصر کی تعلیم یافتہ سوسائٹی کے ایک ذی اثر ممبر مسٹر قائم امین بک نے پردہ کی بنیافت اور آزادی نسوان پر دو
رسالے تحریر المرأة اور المرأة الجديدة شائع کئے تھے جن سے مصر میں ہل چل پچ گئی اور نوجوان طبقہ خصوصیت سے متاثر
ہوا اس کی تردید میں کئی رسالے مصریوں کے علمائے لکھے انہی میں ایک رسالہ المرأة المسلمہ بھی ہے جو مصر کے شہر
مصنف علامہ فرید وجدی کی تصنیف ہے فرید وجدی چونکہ یورپ کی مستند زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا اور تعلیم
یافتہ سوسائٹی کا ایک فاضل ممبر تھا اس لئے اس نے جو کچھ لکھا محض یورپ کے اقوال و حالات کو پیش نظر رکھ کر لکھا تھا
اس نے ثابت کیا کہ قصر و حلائی کی بنیادیں زندگی ٹھوس حقیقتوں پر قائم ہیں اس لئے تحریم و اصلاح کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا دلائل کی تفصیل و نوعیت تو آپ اصل کتاب میں دیکھیں گے جو چیز قابل قدر ہے وہ طریق اسلوب ہے
اور کہیں رک رک دیا اقتادہ دلائل کو پیش نہیں کیا گیا کتاب مسلمان عورت کو ترجمہ و واقفیت کے اعتبار سے بے بہن
ورنہ اس کو علامہ فریدی وجدی کی کتاب کا اردو ایڈیشن کہنا چاہئے یہ ترجمہ مولینا ابوالکلام آزاد کی ادبی ساسی اور
تصنیفی صلاحیتوں کا اولین ثمر ہے ہمارے ہاں بھی چونکہ اس قسم کے مباحث پیش ہوتے رہتے ہیں اس لئے پردہ نسوان
پر یہ کتاب پیش کی گئی ہے۔

سائز ۲۰×۲۵ صفحات ۲۵۶ کاغذ عمدہ سفید کتابت و طباعت اعلیٰ جلد حین دشت کور سے مرن قیمت ۵-۵
نمونہ مفت طلب فرمائیں

عکس حائل ترجمہ

(زیر طبع)

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رح کے قدیم ترجمہ وحاشیہ موضح قرآن کی الگ
کاپی چھوٹے سائز پر لوگ ہم سے مانگتے ہیں اس قدیم نسخہ کی طباعت شیخ الہند رح کے ترجمہ اور
علامہ عثمانی رح کی تفسیر کے ساتھ ہوگئی ہے متعدد حضرات کے اصرار کے بعد صرف شاہ
عبدالقادر صاحب رح کے ترجمہ اور فوائد موضح قرآن کی طباعت کے لئے کتابت شروع
کرادی ہے اس متوسط سائز کی حائل کی چھپائی عکسی ہوگی اور سائز ۲۰×۲۶۔ وفاق فرمائیں
کہ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ نمونہ مفت طلب فرمائیں

۱۹ بلسے چند فتح چند بلڈنگ * کراچی
مقابل بہار شاہ مارکیٹ نیکر روڈ

پیشہ ادارہ علوم شرعیہ *